گلزار
معصوم
اور
پریچے

معصوم

اور

پریچے

دو منظر نامے

گلزار

ناشرین

پیشِ خدمت ہے "کتب خانہ" گروپ
کی طرف سے ایک اور کتاب

پیشِ نظر کتاب فیس بک گروپ "کتب خانہ" میں بھی اپلوڈ کر دی گئی ہے۔ گروپ کا لنک ملاحظہ کیجیے :

https://www.facebook.com/groups/1144796425720955/?ref=share
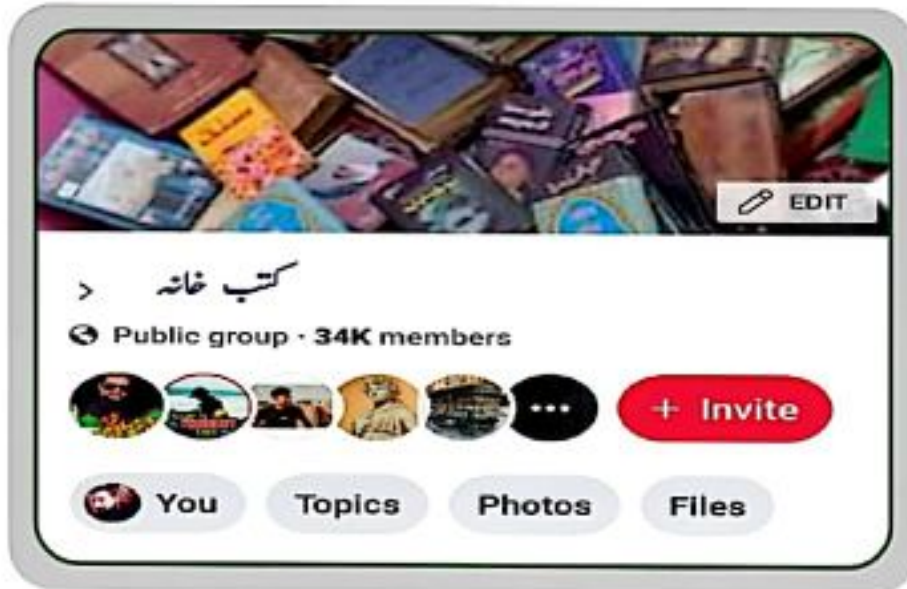
عقیل : +923055198538
محمد اطہر اقبال : +923340004895
محمد قاسم : +971543824582
میاں شاہد عمران : +923478784098
میر ظہیر عباس روستمانی : +923072128068

Title: Masoom and Parichay

By: Gulzar

Edition: 2015

Cover Design: Abu Imama

Composing: Farhana

Publisher:

Hassan Zia

Mastermind Publications
Karachi. Pakistan
Phone # 021-35879503
Cell # 0300-8242265 / 0321-8242265
Email: hzia.mastermind@gmail.com

Gagan Shahid & Amar Shahid

Book Corner
Printers, Publishers & Booksellers
Jhelum. Pakistan.
Phone # 0544-614977 / 0544-621953
Cell # 0323-5777931 / 0321-5440882
Email: bookcornershowroom@gmail.com

ٹائٹل: معصوم اور پریچے

تحریر: گلزار

اشاعت: ۲۰۱۵ء

سرورق: ابو امامہ

کمپوزنگ: فرحانہ محمود

ناشر:

حسن ضیاء

ماسٹر مائنڈ پبلی کیشنز

کراچی۔ پاکستان

گگن شاہد، امر شاہد

بک کارنر

پرنٹرز، پبلشرز اینڈ بک سیلرز،

جہلم، پاکستان

- Join us on facebook -

www.facebook.com/bookcornershowroom
www.facebook.com/gulzar.book
www.facebook.com/gulzariyaat

خوش نما

عرضِ ناشر

میں ذاتی طور پر مطالعہ کی اہمیت سے نابلد تھا۔ اس بہترین عمل سے روشناسی کا سہرا گلزار صاحب کے سر جاتا ہے کہ ان کی تحریریں قاری کو اپنے حصار میں ایسا جکڑ لیتی ہیں کہ بار بار آنکھیں لفظوں کو پڑھتے اور دل اُن سے محظوظ ہوئے بغیر چین نہیں پاتا تھا۔ بلاشبہ! گلزار صاحب کی شاعری، نثر نگاری کے بارے میں ماہر ترین ادیب بھی تعریف کے موتی بکھیرے بغیر نہیں رہتے۔ گویا اُن کو پڑھنے کے بعد پڑھنے والے کا تحسین کے الفاظ لکھنا ایک قرض رہ جاتا ہے۔

''معصوم'' اور ''پرچھائیں'' آپ کی اُن معروف فلموں کی فہرست میں اوّلیت کا درجہ رکھتی ہیں جنہیں نہ صرف عام ناظرین بلکہ فلمی شعبہ سے متعلق ماہرِ فن لوگوں نے بھی بے حد سراہا ہے۔ اسی ذوق کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ماسٹر مائنڈ پروڈکشنز نے، ادارہ ماسٹر مائنڈ پبلی کیشنز کے قیام کی خاطر اس کی مضبوط بنیاد قائم کرنے کے لیے گلزار صاحب کی بین السطور فلموں کے سکرین پلے کو یک جلدی طور پر شائع کرنے کا عزم کیا۔ یہ کتاب فلمی ماہرین، چاہے وہ فنکار ہوں یا ہدایتکار ہوں، کے لیے ایک نایاب تحفہ ہے۔

گلزار صاحب سے میرا ناطہ مختلف پہلو رکھتا ہے، ایک طرف تو اُن کی شفقتِ پدری مجھ پہ ہمہ وقت سایہ کیے رکھتی ہے اور دوسری جانب اُن کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرنے کا شرف بھی کوئی غیر اہم پہلو نہیں ہے۔ یوں سمجھ لیجیے کہ اُن سے سیکھنے کے بعد ان کے مشن کو اپنے تئیں جاری رکھنا مجھ پہ ایک عائد ذمہ داری ہے۔ اسی تعلق کو مزید مستحکم بنانے کی خاطر ہماری کمپنی نے ایک اور سنگ میل طے کرنے کی طرف سعی کی ہے۔ ماسٹر مائنڈ پبلی کیشنز کا قیام بھی گلزار صاحب کے ہی تخیل کا نتیجہ ہے۔ اُمید محکم ہے کہ یہ کتاب ہر خاص و عام کے لیے استفادہ کا باعث بنے گی۔

کیونکہ.....

کتابوں سے کبھی گزرو تو یوں کردار ملتے ہیں
گئے وقتوں کی ڈیوڑھی میں کھڑے کچھ یار ملتے ہیں

آپ کے فیڈ بیک کا منتظر
آپ کا خیر اندیش
حسن ضیاء

Cell # 0300-8242265 / 0321-8242265
Email: hzia.mastermind@gmail.com

منظرنامہ

اِنتساب

دیوی دتّ

اور

شیکھر کپور

کے نام ---

دیباچہ

جو نظر آتا ہے اُس کو منظر کہتے ہیں اور مناظر میں کہی گئی کہانی کا نام منظر نامہ ہے۔ انگریزی میں اس کے لئے دو الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ ایک سکرین پلے ہے، دُوسرا سینیریو (Screenplay and scenerio) دونوں تقریباً ایک سے ہیں لیکن سکرین پلے میں 'ڈزولو' اور 'کٹ' اور دُوسری تکنیکی ہدایات بھی لکھ دی جاتی ہیں، جو ڈائریکٹر کی مدد کرتی ہیں۔ اُس میں 'سیٹ' یعنی محل وقوع' اور منظر کا وقت بھی درج کیا جاتا ہے۔ (یعنی منظر نامہ صُبح، شام، رات یا دوپہر، کس وقت کا ہے)۔ یہ تفصیلات ڈائریکٹر کے لئے تبھی ضروری ہوتی ہیں، جب وہ سکرین پلے کو فلماتا ہے، ورنہ یہ تکنیکی ہدایات پڑھنے میں رُکاوٹ پیدا کرتی ہیں۔ اس لئے عام قاری کے پڑھنے کے لئے سینیریو ہی زیادہ موزوں ہے، تاکہ وہ اُسے ایک ناول کی صُورت بنا کسی رُکاوٹ کے پڑھ سکے۔ اُسی کا نام منظر نامہ ہے۔

ادب میں منظر نامہ ایک مکمل فارم بھی ہے۔ جس کی پہلی مثال جو میری نظر سے گذری، وہ ڈی سیکا کا منظر نامہ 'امریکہ امریکہ' تھا۔ اُس ڈائریکٹر نے وہ منظر نامہ پہلے لکھا، شائع کیا اور بعد میں اُس پر فلم بنائی۔ ادب میں بہت سے مُصنف ہیں جو اپنے ناول بھی تقریباً منظر نامہ کی شکل میں لکھتے ہیں۔ شرت چندر کے بیشتر ناول اس فارم کے بہت قریب ہیں۔

یہ منظرنامے پیش کرنے کا ایک مقصد قاری کو اس فارم سے متعارف کرنا بھی ہے اور دوسرے یہ کہ ٹی وی اور سنیما سے دلچسپی رکھنے والے شائقین یہ دیکھ سکیں کہ ناول کو کس طرح منظرنامہ کی شکل دی جاتی ہے۔

میرے لئے یہ اعتراف کرنا ضروری ہے کہ میں منظرکشی پر کسی مہارت کا دعویدار نہیں ___ کوئی دوسرا ڈائریکٹر یا مُصنف ہوسکتا ہے اسی ناول پر مجھ سے بہتر منظرنامہ تخلیق کرلے۔

منظرنامے کا اندازِ بیان عموماً اوریجنل کہانی سے الگ ہوجاتا ہے اس لئے وہ اصل کہانی یا ناول یا سوانح عمری کا نیا Interpretation بن جاتا ہے جس کی مثال چند مشہور فلموں سے دی جاسکتی ہے۔ جیسے فلم انارکلی اور مُغلِ اعظم ایک ہی ڈرامے سے ماخوذ کئے گئے ہیں۔ "دیوداس" جتنی بار بنی، اور کئی زبانوں میں بنی، اُس کا منظرنامہ بدلتا رہا۔ ٹی وی کی آمد سے، منظرناموں کی ضرورت میں بہت اضافہ ہوگیا ہے۔ چھوٹے چھوٹے افسانوں کے منظرنامے بھی لکھے جانے لگے ہیں۔ جناب احمد ندیم قاسمی، راجندر سنگھ بیدی، بھیشم ساہنی، مُنشی پریم چند اور دوسرے بے شمار ادیبوں کے افسانوں پر کام ہورہا ہے۔ بہت سے سیریئل، سیدھے منظرناموں میں لکھے جاتے ہیں۔ ٹی وی کی فلموں کے لئے کیونکہ وقت کی پابندی (طوالت، Duration) کا لحاظ رکھنا پڑتا ہے، اس لئے منظرناموں کے لئے اکثر ادب سے لئے گئے مشہور افسانوں کو کبھی مختصر کرنا پڑتا ہے، کبھی پھیلا دینا پڑتا ہے۔

مجھے اُمید ہے کہ میری یہ کوشش دوسروں کے لئے کارآمد ثابت ہوگی اور دوسروں کے تجربوں سے مجھے فائدہ ہوگا ___ کوئی نئی راہ کھلے گی، کوئی نئی بات پیدا ہوگی۔

گلزار

شیکھر نے آتے ہی ایک ناول کا نام لیا!

Man, Woman and ....

اور پھر کہانی تو نہیں، لیکن آئیڈیا سنایا ___ اور کہا ''ناول لا کر دوں۔ پڑھیں گے؟'' ___ ''نہیں!'' میرے ہاتھ میں اور بہت کچھ تھا۔ میں نے کہا: ''کہانی کی زمین اچھی ہے۔ میں کچھ لکھ لوں۔ پھر پڑھ لوں گا۔

میں نے اپنی طرح ایک کہانی گڑھی۔ اسکرپٹ (script) بھی لکھ لی۔ میں نے سنائی اور کہا۔ ''اب لا دو ناول۔ پڑھ لوں گا۔''

''مت پڑھو! یہ کہانی بہت معصوم ہے۔ وہ نہیں ہے!!''

اُس کے بعد آج تک وہ ناول نہیں پڑھا!!

گلزار

...1

ہسپتال کے کوریڈور میں ایک بینچ پر بوڑھا سا آدمی سوچ میں کھویا ہوا تھا۔
اُسی وقت ایک نرس اُن کے قریب آئی اور چھو کر بولی۔
"آپ کو بلا رہی ہیں، آپ سے بات کرنا چاہتی ہیں، جلدی چلیئے۔"
وہ شخص تیزی سے اُٹھا، اور نرس کے ساتھ چل پڑا۔

...1.A

ایک لڑکا، آٹھ دس برس کا تیزی سے پہاڑی راستوں کو عبور کرتا، ہسپتال میں داخل ہوا۔ اور دوڑتا ہوا ایک کمرے میں چلا گیا۔ اندر بیڈ پر ایک وجود کو سفید کپڑے سے ڈھک دیا گیا تھا۔ اور وہ بوڑھا شخص سر جھکائے بیٹھا تھا۔ لڑکا دھیرے دھیرے بیڈ کی طرف بڑھنے لگا تو بوڑھے شخص نے اُسے پکڑ کر اُس کے سر کو سہلایا۔

1.B...

ہسپتال کے دوسرے کمرے میں، بوڑھا شخص کسی پیپر پر دستخط کر رہا تھا، اور سامنے بیٹھا کلرک کہہ رہا تھا۔

''بھاؤ نا جی کی وصیت کے مُطابق اب اُن کے بیٹے رائل کی ساری ذمہ داری آپ کو سونپ دی گئی۔''

ماحول میں ایک خاموشی پھیلی تھی۔ کھڑکی کے پاس کھڑا رائل بھی خاموش دیکھ رہا تھا۔ کلرک نے پھر پوچھا۔

''......آپ اُن کے رشتہ دار ہیں کیا؟''

''جی نہیں!''

''اُنہیں بہت پہلے سے جانتے ہیں؟''

''جب سے وہ، سکول میں تھی۔''

''اُنہوں نے جو بھی جائیداد، اپنے بیٹے کے نام چھوڑی ہے اُسے ٹرسٹ میں رکھ دیا گیا ہے۔ سارے کاغذات تیار ہو جانے پر آپ کو بھجوا دیا جائے گا۔''

رائل ابھی بھی کھڑکی کے پاس کھڑا تھا۔

''اب آپ بچّے کو کہاں لے جائیں گے؟''

''نینی تال!''

''وہاں آپ کا پریوار ہے؟''

''نہیں۔ میں اکیلا رہتا ہوں۔''

''اس عُمر میں... ایک چھوٹے بچّے کو سنبھالیں گے۔ میرا مطلب، اس کا باپ... نہیں ہے کیا؟''

پھر ایک خاموشی۔ ماسٹر جی نے ایک خاموش نظر رائل کی طرف ڈالی جو

چپ چاپ کھڑا آسمان کو تک رہا تھا۔

''خیر... کا غذات تیار ہوتے ہی، آپ کے پاس پہنچا دیا جائے گا۔''

بُوڑھے ماسٹر جی اپنی چھڑی کے سہارے کھڑے ہوئے اور آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتے راحل کی طرف بڑھے اور اُسے لے کر کمرے سے نکل گئے۔

1.D...

پہاڑی کے پیچھے۔ ایک چِتا جل رہی تھی۔ دُور کھڑے ماسٹر جی اور راحل، چِتا کو جلتا دیکھ رہے تھے۔

2...

ایک بنگلے میں، پانچ سالا ایک بچّی تھی، ایک کُتّے کے پِلّے سے ڈر کے اِدھر اُدھر بھاگ رہی تھی۔ اور پِلّہ اُس کے پیچھے پیچھے دوڑ رہا تھا۔ وہ ڈر کر ڈائننگ ٹیبل پر چڑھ کر بیٹھ گئی۔ پِلّہ بھی اُوپر چڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ یہ دیکھ کر اُس نے چِلّانا شروع کر دیا۔ ''رنگی... رنگی دیدی...''

آواز سُن کر ایک دس بارہ برس کی لڑکی اُس کے قریب آئی اور اُسے سہما ہوا دیکھ کر پوچھنے لگی۔

''کیا ہوا...؟''

''اِسے ہٹاؤ... اِسے... ہٹاؤ!''

رنگی نے جا کر کتّے کے بچّے کو بڑے پیار سے گود میں لے لیا۔

''کون لایا اِسے؟''

''پاپا لائے ہیں۔''

''اتنے چھوٹے سے کتے سے ڈرتی ہو۔''

''نہیں... میں نہیں ڈرتی۔''

''نہیں ڈرتی تو... دیکھو ابھی...''

رنکی نے دو قدم آگے بڑھایا منّی کو ڈرانے کے لئے۔ منّی ڈر کے پیچھے ہٹی تو اُس کی ٹکر سے گلدستہ نیچے گر کر ٹوٹ گیا۔ منّی نے گھبرا کر رنکی کو دیکھا۔

3...

ڈی۔ کے اپنے آفس میں، کسی بلڈنگ کے ماڈل کے بارے میں اپنے ساتھیوں سے بات کر رہا تھا۔ فون کی گھنٹی بجی۔

''اس پوائنٹ سے لے کر اس پوائنٹ تک ریمپ کا پرونیوجن کرنا چاہیئے تھا۔ کہاں ہے وہ؟''

فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔ ڈی۔ کے۔ نے فون اُٹھایا۔ دوسری طرف دونوں بچیوں کے جھگڑنے کی آواز آ رہی تھی۔

''دھیرے بولو بیٹے، کیا بات ہے؟... ہاں! ممّی کہاں ہیں؟... کیا، کتّا تنگ کر رہا ہے؟ ٹھیک ہے، میں اُن کے پہنچنے سے پہلے ہی پہنچ جاؤں گا۔ آیا بیٹے۔''

ساتھ بیٹھے ساتھیوں نے مُسکرا کر دیکھ رہے تھے۔ ایک نے کہا۔

''میری بیوی کو کتّوں سے بہت پیار ہے۔''

''ہاں... میری کو بالکل نہیں ہے۔''

4...

ڈی۔کے۔کی بیوی اندو ڈھیر سارا سامان خرید کر گھر پہنچی اور ڈائننگ ٹیبل پر سارا سامان رکھ دیا۔ سامنے صوفے پر ڈی۔کے۔اور دونوں بچیاں بیٹھی تھیں۔ اندو خود ہی بڑبڑ کر رہی تھی۔

''اس ٹریفک میں جانا پڑ جائے، چار بجے سے نکلی ہوں۔''

ساتھ ہی بیگ میں سے کچھ نکال رہی تھی۔

''یہ تو تم لوگوں کی قلم پینسل آگئی ہے۔''

ڈائننگ ٹیبل کو دیکھ کر۔

''یہاں کا گلدان کہاں گیا؟... کس نے اُٹھایا؟... عبدل ذرا پانی دینا۔''

صوفے پر تینوں باپ بیٹیاں بالکل خاموش تھے۔ انہیں ایسے چپ دیکھا۔ اتنے میں عبدل پانی لے کر آیا۔ پانی پینے کے بعد عبدل سے ہی پوچھا۔

''یہاں کا گلدان کہاں گیا؟''

''مجھے نہیں معلوم۔''

''اس گھر میں، کسی کو کچھ معلوم ہی نہیں رہتا، ہے ناں!''

پھر ڈائننگ ٹیبل پر سے سارا سامان اُٹھا کر اپنے کمرے میں اُوپر جانے لگی تو بڑی بیٹی رنگی قریب آئی۔

''یہ لو تمہاری کاپی۔''

ڈائننگ ٹیبل پر پھر نظر گئی تو پوچھا۔

''یہاں نیکلس کس نے رکھا؟... اور یہاں کا فوٹو فریم؟... کہاں گیا؟... بیلا... وہ بیلا، جب دیکھو غائب رہتی ہے، گھر میں قدم ہی نہیں نکتا اُس کا...''

بڑبڑاتی ہوئی سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ پھر پلٹ کر صوفے پر باپ بیٹیوں کو خاموش دیکھ کر پوچھا۔

''آپ لوگ اتنے چُپ چاپ کیوں بیٹھے ہیں؟''

منّی ہنس پڑی۔ رنگی نے روکا۔ ڈی۔ کے۔ نے جواب دیا۔

''لو۔ گھر میں چُپ چاپ نہیں بیٹھ سکتے، شرافت سے۔''

منّی کی پھر ہنسی چھوٹی۔

''ہوں! آپ لوگوں کی شرافت، میں خوب جانتی ہوں۔''

کہتے کہتے وہ بیڈروم کے دروازہ پر پہنچ گئیں۔ منّی نے ڈی۔ کے۔ سے آہستہ سے کہا۔

''پاپا۔ ہم لوگوں کی چوری ابھی پکڑی جائے گی۔''

ڈی۔ کے۔ تیزی سے اُٹھا اور کہنے لگا۔

''اوہ... اندو... بیڈروم میں جارہی ہو۔ کیا؟''

اندو وہیں رُک کر پلٹی۔

''تو...''

''منہ دھونے جارہی ہو؟''

''کیوں؟''

''میں نے سُنا ہے، زیادہ منہ دھونے سے اِسکن خراب ہوجاتی ہے۔''

''اوہو۔ کہاں سُنا؟''

''وہ... منّی کہہ رہی تھی۔''

''میں نہیں کہہ رہی تھی... وہ... وہ ویدی کہہ رہی تھی۔''

''میں کہاں کہہ رہی تھی... وہ... وہ میں نے ریڈیو۔ سُنا تھا۔''

''تم لوگوں کو کیا ہو گیا ہے؟''

اندو کمرے کی طرف مُڑی۔ منّی نے دھیرے سے کہا۔

''پاپا... اب تو پھنس گئے۔''

''ہاں...!''

تبھی ایک شور سنائی دیا۔ کتّے کے پلّے کی بھونکنے کی اور اندو کے چلّانے کی۔ سیڑھیوں سے پلّہ نیچے کی طرف بھاگ رہا تھا اور پیچھے پیچھے اندو چلّاتی ہوئی۔

''ڈی۔ کے۔ بھگاؤ اس کو... کون... کون لایا اس کو... لایا کون... میں پوچھتی ہوں لایا کون؟''

پلّہ بھاگ کر دوسری طرف نکل گیا۔ اور اندو غصّہ میں اُن تینوں کے پاس پہنچی۔ ڈی۔ کے۔ سے پوچھا۔

''لایا کون اسے؟''

''ہوں...''

''میں پوچھ رہی ہوں لایا کون تھا اسے؟''

ڈی۔ کے۔ کے پیچھے دونوں بچیاں چھپ رہی تھیں۔

''چلو بھائی... چھوڑو نا۔

ڈی۔ کے۔ نے پلّے کو اُٹھایا اور ڈائننگ ہال کے باہر نکل گیا۔ اندو غصّے میں بڑبڑا رہی تھی۔

''مجھے معلوم تھا۔''

منّی نے ماں سے کہا۔

''ممی... ممی... رکھوا دے۔''

''چپ کر۔''

5...

رات کے وقت ۔ڈی ۔ کے۔ اپنے بستر پہ لیٹے کچھ پڑھ رہا تھا۔ ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے کے سامنے کھڑی اندو اپنے بالوں میں کنگھی کر رہی تھی اور بڑبڑاتی جا رہی تھی۔

''ایک فوٹو فریم توڑا، ایک فلاور پوٹ توڑا، پردہ پھاڑا... یہ تو پہلے دن کا کمال تھا۔ تھوڑے دنوں میں تو پورے گھر کو اُجاڑ کے رکھ دے گا۔ رکھے گا کون سنبھال کے؟''

''پٹہ باندھ کے رکھ لیں گے۔''

''کوئی ضرورت نہیں۔ کباس نے لانے کو، بیلا بھی نہیں ہے۔ جب دیکھو غائب رہتی ہے۔ میں اُس کُتّے کو نہیں رہنے دوں گی۔ کہہ دیتی ہوں میں۔''

ڈی۔ کے۔ کی طرف دیکھا، جو پُرانے قسم کا چشمہ لگا رکھا تھا۔

''کتنی بار کہا ہے یہ چشمہ اُتار کے پھینکو۔''

''تو پڑھوں گا کیسے؟''

''پورے چپراسی لگتے ہو۔''

اندو نے ڈی۔ کے۔ کے قریب جا کر اُس کی آنکھوں سے چشمہ نکال کر رکھ دیا۔

''یہ کیا؟...''

''پیٹھ کا درد کیسا ہے؟''

''ابھی تو ٹھیک ہے۔ ایک سائیٹ پہ دو تین گھنٹے کھڑا رہا۔''

''لاؤ مل دوں۔''

ڈی۔ کے۔ اُلٹا ہو گیا۔ اور اندو اُس کی پیٹھ دبانے لگی۔

''کیا ضرورت ہے اتنا کام کرنے کی؟''

''تمہارے لئے، تمہارے بچوں کے لئے، کرتا ہوں کام۔''

ڈی۔کے۔نے پیار سے کہا۔اندو ہنس پڑی اور ایک چپت پیٹھ پر لگادی۔

''کام کرنے کا شوق ہے تمہیں۔سب کچھ تو ہے ہمارے پاس۔''

''سب کچھ تو نہیں ہے۔''

''کیا نہیں ہے؟''

''ہیروں کا ہار نہیں ہے۔''

''کسے چاہیئے ہیروں کا ہار؟''

''اوہو... کامنا کے ہار کو اتنی للچائی نظروں سے کیوں دیکھ رہی تھی؟''

''ہوں! میں تو اس لئے دیکھ رہی تھی، کتنا بھدا ہار پہنے ہوئے تھی۔''

ڈی۔کے نے چھیڑتے ہوئے کہا۔

''چلو ہار نہیں... پتی تو اُس کے ہی طرح کا چاہیئے۔''

''کوئی کوہ نور لا کے دے، پھر بھی سوری صاحب جیسا پتی نہیں چاہیئے۔''

''تو کیسا پتی چاہیئے؟''

ڈی۔کے۔نے جھک کر پوچھا۔

''ہے ناں میرے پاس۔''

''ہے تو۔سہی۔لیکن کبھی تعریف بھی کیا کرو۔''

ڈی۔کے۔اندو کی بغل میں لیٹ گیا۔

''اندو... ایک بات کہوں... اُس پتی کو بھی...''

اندو، ڈی۔کے۔کے ارادے کو سمجھ کر اُٹھ بیٹھی ہنستے ہوئے۔

''چالاک۔بندر۔''

اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

6...

صبح کے وقت، ڈی۔ کے۔ اور بچیاں سبھی تیار تھے، اور ڈائننگ ٹیبل پر ناشتہ کر رہے تھے۔ بچے دودھ پی رہے تھے۔ منّی دودھ میں سے ملائی نکال رہی تھی۔ اُسے پسند نہیں تھی۔

''چھی...... میں نہیں پیتی اس میں ملائی ہے۔''

ڈی۔ کے۔ کی ٹائی اندو ٹھیک کر رہی تھی۔

''کوئی ملائی ولائی نہیں، دودھ پیو اپنا۔''

اندو ٹائی ٹھیک کر رہی تھی اور ڈی۔ کے۔ کافی کا کپ اُٹھانا چاہ رہا تھا۔

''ہاتھ نیچے رکھونا۔''

''ہاتھ نیچے رکھوں تو کافی کیسے پیوں گا؟''

''تو وہ ہاتھ یوز کرونا۔''

منّی نے کہا۔

''چپّی۔ پاپا کا نام رکھ دونا۔''

رنکی نے چڑایا۔

''سٹوپڈ، پاپا۔ چپّی کا نام رکھ دو۔''

''یو سٹوپڈ۔''

دونوں لڑنے لگیں۔ اندو نے ڈانٹا۔

''صبح صبح تم دونوں لڑو مت۔''

اندو ابھی تک ڈی۔ کے۔ کی ٹائی ٹھیک کر رہی تھی۔

''کافی پینے دونا۔''

منّی سمجھ نہیں پائی کہ پاپا نے کسے کہا۔ بول پڑی۔

"نہیں... وہ دودھ پیتا ہے۔کافی نہیں۔"

"میں چنّی... پاپا کی بات کر رہا ہوں۔"

"نام رکھو نا اُس کا۔"

رنگی نے کہا۔

"سٹوپڈ۔"

"وہ بھی کوئی نام ہوتا ہے؟"

ڈی۔کے۔نے کافی کا آخری گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔

"منّی رکھنے سے گڑبڑ ہو جائے گی۔منّے کو بلائیں گے تو آپ دوڑی آئیں گی۔آپ کو بلائیں گے تو منّا دوڑا آئے گا۔"

ڈی۔کے۔ڈائننگ ٹیبل سے اُٹھا۔پاس رکھا کوٹ اُٹھایا۔اندو کچن میں کھڑی تھی بولی۔

"جب رکھیں گے ہی نہیں،تو نام ڈھونڈنے سے کیا فائدہ؟"

ڈی۔کے۔اور بچیاں ہال سے نکل کر باہر جا رہے تھے۔ڈی۔کے۔بچیوں کو سکول چھوڑتا ہوا آفس جاتا تھا۔اندو نے پیچھے آتے ہوئے پوچھا۔

"آپ لوگوں نے اپنے اپنے وٹامنس لے لئے نا؟"

تینوں نے پلٹ کر اندو کو دیکھا۔ڈی۔کے۔نے پوچھا۔

"لے لیا نا؟"

اندو نے کہا۔

"میں آپ سے کہہ رہی ہوں۔"

"ہاں... لے لئے۔"

پاس کھڑی منّی نے اپنی ہتھیلی کھولی جس میں وٹامن کی گولی تھی۔جو پاپا کی تھی۔

''پاپا۔آپ جھوٹ بولتے ہو۔''

ڈی۔کے۔نے جھٹ سے گولی اُٹھالی اور مُنہ میں ڈال لی۔اور بغیر پانی کے نگل گیا۔بچے ہنس پڑے۔اندو نے کہا۔

''شام کو،سوری صاحب کی پارٹی پہ جانا ہے۔بھولنا نہیں۔''

بچیاں ماں کو بائے بائے کہتے کار میں بیٹھ گئیں۔ڈی۔کے۔ڈرائیونگ سیٹ پر۔اندو کھڑی دیکھتی رہی جب تک کار گھر کے باہر نہیں نکل گئی۔

7...

سُوری صاحب کا بنگلہ،شام کا وقت،سُوری صاحب کے بنگلے میں پارٹی چل رہی تھی۔سبھی لوگ ہاتھوں میں گلاس لئے شغول فرما رہے تھے۔مرد عورتیں سبھی شامل تھے۔ایک خوشنما ماحول سجا تھا۔سُوری صاحب اپنے دوستوں سے گھرے کچھ سُنا رہے تھے۔

''ایک لڑکی کا حودا،جس میں گرم گرم انی ہوتا ہے۔اُس میں آپ کے دوست اور اُن کی بیوی اور آپ آدم زاد ننگے۔گرم گرم پانی اور مالشے۔کبھی ادھر گدگدی۔کبھی اُدھر گدگدی۔''

سبھی سُن کر ہنس رہے تھے اور کہانی کا مزہ لے رہے تھے۔اُسی وقت سُوری صاحب کی پتنی نے آ کر کان میں کچھ کہا۔سُوری صاحب نے مہمانوں سے ایسکیوز کیا۔

''ایک منٹ۔''

اور دُوسری طرف چل دیئے۔

ڈی۔کے اور اندو ساتھ ساتھ پارٹی میں آئے۔اندو نے ڈی۔کے۔کی ٹائی کو دیکھ کر کہا۔

''ٹائی تو ٹھیک کرو۔''

''ٹھیک تو ہے۔''

سوری صاحب اور اُن کی پتنی نے اُنہیں ریسو کیا۔

''ارے... اوہ... لیٹ لطیف... تُو آ ہی گیا۔''

دونوں دوست گلے ملے۔ پتنیاں بھی ایک دوسرے سے ملیں۔ دونوں دوست ایک ساتھ آگے بڑھے تو اندو نے پیچھے سے آواز دی۔

''سوری صاحب ایک منٹ۔ سُنو جی زیادہ شراب نہیں پینا۔''

سوری صاحب نے کہا۔

''سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔''

''سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ دو ہی پیگ میں ٹُن ہو جاتے ہیں۔''

دونوں دوست نے ایک ساتھ کہا۔

''نو ڈرنکنگ ٹو ڈے۔''

اندو نے پتی کا ہاتھ پکڑ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

''سب کچھ لمیٹ میں ڈی۔ کے۔ سمجھے۔''

''بالکل لمیٹ میں۔''

دونوں عورتیں دوسری طرف چل دیں۔ دونوں دوست آگے بڑھ گئے۔ پھر رُک کر سوری صاحب نے شرارتی لہجے میں کہا۔

''پہلے ایک پٹیالہ۔ پھر...''

ویٹر کو آواز دی۔

''ایک شمپین دو صاحب کو۔''

ویٹر آ گیا۔ ڈی۔ کے۔ بولا۔

''پٹیالہ بعد میں...''

عورتوں کے جھنڈ میں اندو نے سوری کی پتنی سے کہا۔

''اتنے لوگ ہوں گے۔ اندازہ ہی نہیں تھا۔''

''بس۔ ایسے ہی۔''

سوری صاحب کئی لوگوں سے ڈی۔ کے۔ کو ملوا رہے تھے۔ اُن میں کچھ خاص تھے۔ اور ڈی۔ کے۔ کو سمجھا رہے تھے۔

''ڈی۔ کے۔ کانٹیکٹ مینس کانٹیکیٹ۔ کام کی باتیں کرو۔ جس سے ملو۔''

پارٹی میں ایک فلم پروڈیوسر اور ڈائریکٹر بھی تھے۔ جنہیں کچھ عورتیں گھیرے کھڑی تھی۔ یہیں پر اندو اور سوری صاحب کی بیوی بھی تھی۔ سوری صاحب کا بیٹا جو آٹھ دس برس کا تھا۔ ماں کے پاس آیا۔

''بیٹے... یہ انکل ہے ناں فلم بناتے ہیں۔ وہ شعلے کے ڈائیلاگ ہیں نا سنا دو ناں۔''

سوری صاحب کا بیٹا بغیر جھجک کے سنانے لگا۔

''کتنے آدمی تھے؟

سرکار دو۔ اور تم تین۔ پھر بھی خالی ہاتھ لوٹ آئے۔''

سوری کی بیوی نے پروڈیوسر سے کہا۔

''اچھا بول لیتا ہے نا۔''

اندو آگے ہوکر ایک اور عورت سے ملی۔ جسے وہ جانتی تھی۔ دونوں گلے ملے۔

''ہیلو چندا۔''

''ہائے۔''

''تم پرسوں فون کرنے والی تھی؟ کیا ہوا؟''

''کیا کرتی کام میں بزی ہوگئی تھی۔''

چندا نے اپنے پرس سے سگریٹ کا پیکٹ نکالا اور جلا کر پینے لگی۔

''جب دیکھو، کام میں لگی رہتی ہو۔ تم تو چھوڑنے والی تھی سگریٹ۔''

''کل سے۔''

''کل سے۔''

دونوں آگے بڑھ گئیں۔ دوسری طرف سوری صاحب ڈی۔ کے۔ کو اپنے دوستوں سے ملاتے ہیں۔ اندو اور چندا، سوری صاحب کی بیوی سے ملی۔ سوری کی بیوی نے اندو کے جھمکے کو دیکھ کر کہا۔

''ہائے... یہ تو وہی ہیں، جو شیتل کی پارٹی میں پہنے تھے۔ بہت سندر ہیں۔''

چندا نے پوچھا۔

''شاردا نہیں آئی؟''

''بلایا تو تھا۔ لیکن اُس کی حالت تو تم جانتی ہی ہو۔''

''ایڈیٹ۔ جب دیکھو روتی ہے۔ وہ بھی ہسبنڈ سے مُنہ چھپا کے۔ نہ لڑ کر پوئنٹ کرتی ہے اور نہ رو کر۔''

''مطلب...؟''

پارٹی کا رنگ دھیرے دھیرے اور رنگین ہونے لگا۔ سبھی انجوائے کر رہے تھے۔ ایک طرف ڈی۔ کے اور سوری صاحب بھی ایک ایک پیگ لئے ہوئے، پرانی باتیں یاد کرتے ہوئے۔

''ہائے... ہائے... اُس زمانے میں، یاد ہے تجھے ڈی۔ کے۔... تیری تو انٹیلیکچولیزم اور میرا شاعرانہ پن، اُس پر کتنی لڑکیاں مرتی تھی۔''

ایک کونے میں اندو اور چندا باتیں کر رہی تھیں۔

''میجر صاحب سے کچھ بات ہوئی...''

''کچھ نہیں... وہ سب بھول جا۔''

''تم بھول گئیں کیا؟''

''کیوں فکر کرتی ہو، ٹھیک تو ہوں۔ ٹھیک نہیں لگ رہی۔''

چندا کا ماضی تھا جو اندو اور چندا ڈسکس کر رہی تھیں۔

سُوری صاحب مستی میں شاعری کر رہے تھے۔ دوست انجوائے کر رہے تھے۔

''انگڑائی نہ لے، ہاتھوں کو اُٹھا کر۔ سینے سے تیرے دیکھ، دوپٹہ نہ ڈھلک جائے۔''

ڈی۔ کے۔ بول پڑا۔

''واہ... واہ...''

''یار تجھے یاد ہے، ایک غزل تھی۔''

''حضور اس قدر، اِترا کے بھی نہ چلیئے۔''

''ہو جائے۔ یُو سٹارٹ۔''

''یس!''

گلے کو صاف کرتے ہوئے ڈی۔ کے۔ نے کہا۔

''یار سُوری۔ ایسا ہے میرا ذرا گلا خراب ہے۔''

''نخرے... ہوں۔''

''نہیں... نہیں... یُو سٹارٹ۔ یور وائز اِز بیٹر وائز۔''

''آئی گو ٹو بیٹر وائز۔''

''ایسا کر تُو شروع کر۔ میں جوائنٹ کرتا ہوں۔''

''آ..........''

''ایسے نہیں... آلاپ کے ساتھ۔''

اور مُوری نے سُر کو پکڑا۔ لگا گنگنانے۔

''آ...... آ......''

ڈی۔ کے بھی شروع ہو گیا۔

حضور اس قدر نہ اترا کے چلیئے
کھلے عام آنچل نہ لہرا کے چلیئے
کوئی منچلا گر پکڑ لے گا آنچل
ذرا سوچیئے آپ کیا کیجئے گا
لگا دے اگر بڑھ کے زُلفوں میں کلیاں
تو کیا اپنی زُلفیں جھٹک دیجئے گا
حضور اس قدر نہ..........

بڑی دلنشین ہے ہنسی کی یہ لڑیاں
یہ موتی مگر یُوں نہ بکھرایا کیجئے

اُڑا کے نہ لے جائے جھونکا ہوا کا
لچکتا بدن یُوں نہ لہرایا کیجئے
حضور اس قدر نہ..........

بہت خوبصورت ہے ہر بات لیکن
اگر دل بھی ہوتا تو کیا بات ہوتی
لکھی جاتی پھر داستانِ محبت
اک افسانے جیسی ملاقات ہوتی
حضور اس قدر نہ اترا کے چلیئے!

8...

سرکاری ہسپتال کے گراؤنڈ میں ایک ایمبولینس آ کر کھڑی ہوئی۔ دور کوریڈور میں اندو بہت تیزی سے اندر کی طرف جا رہی تھی۔ سامنے سے چندا آتی ہوئی اُسے مل گئی۔ جو شاردا کے پاس سے آئی تھی۔ شاردا دونوں کی سہیلی تھی۔ اندو نے پوچھا۔

''اب کیسی طبیعت ہے؟''

''پتہ نہیں۔''

دونوں ساتھ ہی شاردا کے کمرے میں پہنچے۔ شاردا کو گلوکوز چڑھایا جا رہا تھا۔ اُس کی آنکھیں بند تھیں۔ دونوں اُس کے بیڈ کے قریب جا کر کھڑی ہو گئیں۔ اندو نے پکارا۔

''شاردا...''

شاردا نے آنکھیں کھولیں اور انہیں دیکھ کر رو پڑی۔ اندو نے تسلی دی۔

''بس... بس...''

چندا کو شاردا کی یہ حالت دیکھی نہیں جا رہی تھی۔ وہ غصہ سے بولی۔

''کیا ملا تمہیں، نیند کی گولیاں کھا کے؟... کچھ حل ہوا نہیں۔ اگر کچھ کرنا ہی

تھا، تو اپنے پتی کو نیند کی گولیاں کھلا دیتی۔ یا تو اُس کو، جو اُس نے دوسری رکھ لی ہے۔ تمہارے مرنے سے، تمہیں کیا ملے گا؟...''

''چُپ کرو چندا۔ یہ کوئی وقت ہے ایسی بات کرنے کا؟''

شاردا کو اندو چُپ کراتی رہی۔ تبھی شاردا کے پتی کمرے میں آ گئے۔ اُسے دیکھ کر چندا نے کہا۔

''آ گئے... ہو... اب کیا لینے آئے ہو؟... اس حد تک لے آئے ہو شاردا کو... اب کیا کرنا چاہتے ہو؟''

اندو نے سمجھانا چاہا۔

''چُپ کرو چندا۔''

''تم چُپ رہو۔ کیوں چُپ رہوں، کسی کو تو بولنا پڑے گا۔ شاردا کی طرح سب چُپ بیٹھ جائیں... یہ جناب جو مرضی آئے کرتے رہیں۔''

''چلو چندا... ہم چلتے ہیں۔''

اندو نے چندا کا ہاتھ پکڑا اور کمرے سے باہر نکل گئی۔ شاردا کے پتی چُپ چاپ کھڑے رہے۔ نرس اپنا کام کرتی رہی۔ کمرے سے باہر نکل کر اندو نے غصّہ سے چندا کو ڈانٹا۔

''کچھ سوچ سمجھ کر بات کیا کرو۔''

''اگر تمہارے ساتھ ہوا ہوتا تو، تم سوچ سمجھ کے بات کرتی کیا؟''

چندا غصّہ میں کہہ کر آگے بڑھ گئی۔ اندو ایک لمحہ کے لئے چُپ چاپ اُسے جاتے دیکھتی رہی۔

9...

رات کے وقت، ڈی۔ کے اپنے کمرے میں بستر پر اُلٹا لیٹا ہوا تھا اور اندو اُس کی پیٹھ دبا رہی تھی۔ دونوں لڑکیاں وہیں کھیل رہی تھیں۔ اندو، شاردا کے بارے میں بتا رہی تھی۔

''نیند کی گولیاں کھا لینے سے مشکل تھوڑے ہی حل ہو جاتی ہے۔''

''اُس کا ہسبنڈ بھی پاگل ہے۔ بال بچے ہوتے ہوئے، کیسے بھٹک جاتے ہیں؟... شادی کی ذمہ داری اُٹھائی جاتی نہیں تو، شادی کیوں کر لیتے ہیں؟''

دونوں بچیاں اُن کے پاس آ گئیں۔ منّی ممی کی پر چڑھ کر جھولنے لگی۔ اور سوال کیا۔

''ممی، میں منّی نہ ہوتی تو...؟''

''تو منّی کی جگہ مُنّا ہوتا۔''

''میرا بھیا۔''

رنکی نے چڑھایا۔

''تمہارا نہیں، میرا بھیا۔''

''کیوں، میرا بھی تو ہوتا۔''

''سٹوپڈ، تم تو پیدا ہی نہیں ہوتی۔ تمہارا کیسے ہوتا؟''

''یو سٹوپڈ۔''

ڈی۔ کے۔ نے ٹوکا۔

''بڑی دیدی سے ایسے نہیں کہتے۔''

''تو چھوٹی دیدی سے ایسا کہتے ہیں؟''

رنکی اُسے مارنے لپکی۔ منّی ماں کو چھوڑ کر بھاگی۔ آگے منّی، پیچھے رنکی۔ منّی

پلنگ کے چاروں طرف دوڑ رہی تھی۔ اندو نے منّی کو بچانے کے لئے گود میں اُٹھالیا۔

''بس... بس... اب جھگڑا نہیں۔''

رنگی نے کہا۔

''چل...''

''جاؤ... جاؤ اپنے کمرے میں۔''

دونوں بچیاں چلیں گئیں۔ ڈی۔ کے ابھی تک ویسے ہی اُلٹا لیٹا کتاب پڑھ رہا تھا۔ اندو نے بچیوں کو جاتے دیکھا پھر ڈی۔ کے۔ کی طرف دیکھا۔ ایک خوشحال پریوار تھا۔ وہ مسکرانے لگی اور پھر ڈی۔ کے۔ کی پیٹھ دبانے لگی۔

''اندو... اگر تمہارا ایک مُنّا ہوتا تو...؟''

''ایک ہے نا۔''

''کہاں ہے...؟''

ڈی۔ کے۔ حیرت سے پلٹا۔ اندو نے مسکراتے ہوئے اُس کے بالوں کو پیار سے پکڑ کے کہا۔

''یہ ہے نا...''

''تو آ رنگی۔''

''کیوں...؟''

''تمہارا تو ہے۔ میرا نہیں۔''

10...

پہاڑوں کی گھاٹی دور تک پہاڑی سلسلہ چلا گیا تھا۔ بیچ میں ایک چھوٹا سا گاؤں۔ گاؤں کے پوسٹ آفس میں وہی بوڑھے ماسٹر جی رائبل کے ساتھ آئے

تھے۔ اور پوسٹ ماسٹر سے پوچھ رہے تھے۔

''ہری بھائی، تم بتاتے بھی نہیں کہ ہماری چٹھی کا کوئی جواب آیا بھی کہ نہیں؟''

''جواب آتا تو، تُرنت پہنچ جاتا ماسٹر جی۔ آپ اتنی چِنتا کیوں کرتے ہیں؟''

''چِنتا تو ہے نا بیٹا، اس لڑکے کے لئے۔ میرا کیا بھروسہ، اس بار اُسے تار بھجوا دو۔''

ماسٹر جی نے ایک کاغذ نکال کر پوسٹ ماسٹر کو دیا۔

''آپ اپنا ٹھیک سے علاج کروایے ماسٹر جی۔''

''بڑھاپے کا کوئی علاج ہوتا ہے ماسٹر جی؟''

''ماسٹر جی آپ ایسی باتیں کیوں کرتے ہیں؟''

''جاؤ جلدی سے تار بھجوا دو۔''

پوسٹ ماسٹر ڈاک خانہ میں گیا۔ اور ماسٹر جی راہل کو کھیلتے دیکھنے لگے۔

11...

اندو کوئی چٹھی پڑھتے ہوئے، سیڑھیوں سے اُوپر اپنے بیڈ روم میں آئی، جہاں ڈی۔ کے۔ آفس جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ اندو نے بتایا۔

''ٹیلی گرام ہے۔''

''کس کا؟''

''گرودیال سنگھ کا۔''

''دیال سنگھ۔ نینی تال سے؟''

''ہوں۔ ضروری کام ہے، فوراً آ جاؤ۔''

ڈی۔کے۔نے ٹیلی گرام لے لیا اور پڑھنے لگا۔

''کون ہے یہ؟''

''ہمارے سکول کے پرانے ہیڈ ماسٹر... گرودیال سنگھ!''

''کوئی خاص بات ہے؟''

''پتہ نہیں۔ پہلے کبھی... اتنے سالوں سے ملا ہی نہیں۔ آفس سے فون کر لوں گا۔''

کچھ سوچتے ہوئے ڈی۔کے۔ کمرے سے نکلا۔

...12

ڈی۔کے۔ آفس میں بڑی تیزی سے داخل ہوا۔ آفس کی سیکریٹری اُس کے پاس آئی۔

''سر... دھون صاحب آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔''

''وہ آ گئے؟''

''ہاں... بنسل صاحب کے ساتھ آپ کی راہ دیکھ رہے ہیں۔''

''ہوں... یہ نینی تال کا نمبر ہے۔ ایک ٹرنک کال بک کرو۔ ارجنٹ ہے۔''

''اوکے سر۔''

...13

مسٹر دھون، کچھ بلڈنگوں کے ڈیزائن بنسل صاحب کو دِکھا رہے تھے۔

''وزِ از دا انٹرنیشنل ٹریڈ سنٹر اور یہ ایک ایمبسی ہے، اور یہ وہی نیل کمل کی بلڈنگ جس کی آپ بات کر رہے تھے۔ یہ رہے اس کے ڈیزائن۔''

ڈی۔ کے۔ کمرے میں داخل ہوا۔ دھون صاحب نے ڈی۔ کے۔ اور بنسل کا آپس میں تعارف کرایا۔

''آؤ ڈی۔ کے۔، تمہارا ہی انتظار تھا۔ یہ بنسل جی اور یہ ڈی۔ کے۔ ملہوترا۔ آؤ بیٹھو ڈی۔ کے۔ ہی از مائی برائٹسٹ آرکیٹکٹ۔ ڈی۔ کے۔، بنسل صاحب ایک بلڈنگ کامپلکس بنوانا چاہتے ہیں۔ بنسل بھون۔ یہی نام ہے نا۔''

''ہوں...''

''اور یہ چاہتے ہیں ہم انہیں ایک پر پوزل دیں۔ پہلا پریزینٹیشن تو تمہیں کروگے۔ میں انہیں نیل کمل بلڈنگ کے ڈیزائن دکھا رہا تھا۔''

کچھ سوچ کر دھون نے کہا۔

''ڈی۔ کے۔ تمہیں سمجھادو۔''

''جی۔''

14...

نینی تال کے پوسٹ آفس میں ڈی۔ کے۔ کے ٹرنک کال کو تیواری جی سُن رہے تھے۔ اور جواب میں ذرا اونچی آواز میں بات کر رہے تھے۔

''جی نہیں گرُودیال صاحب تو ریٹائر ہو چکے ہیں۔''

''اُن کا فون نمبر دے دیجئے۔''

''آپ کون بول رہے ہیں؟''

''میں ڈی۔ کے۔ بول رہا ہوں دِلّی سے۔ مجھے گرُودیال جی کا تار ملا تھا۔''

''آپ ڈی۔ کے۔ ملہوترا بول رہے ہیں؟''

''جی ہاں... جی ہاں آپ کون ہیں؟''

''جی حضور۔ میرا نام تیواری ہے۔''

''تیواری...''

''میں نے ہی آپ کو تار بھیجا تھا۔ ایک چٹھی بھی لکھوائی تھی ماسٹر جی نے۔''

''چٹھی تو نہیں ملی مجھے۔ تار ملا تھا۔ تیواری جی، کیا کام تھا ماسٹر جی کو؟''

''کام بہت پرسنل تھا...''

فون کی لائن میں گڑبڑ ہوئی۔ ڈی۔ کے۔ نے پکارا۔

''ہیلو... ہیلو...''

''ہیلو...''

''کیا کام ہے ماسٹر جی کو؟''

''آپ ڈی۔ کے۔ ملہوترا ہی بول رہے ہیں نا؟''

''جی ہاں... میں ڈی۔ کے۔ ہی بول رہا ہوں۔ کیا کام تھا؟''

''وہ کہتے ہیں آپ نینی تال آ کے، اپنے بیٹے...''

''ہیلو... ہیلو... کیا کہتے ہیں وہ؟''

''وہ کہتے ہیں، وقت اُن کے پاس بہت کم ہے۔''

''ٹھیک ہے، ٹھیک ہے، وہ کہتے کیا ہیں؟''

''وہ کہتے ہیں، آپ اپنے بیٹے کو یہاں سے لے جایئے۔''

''بیٹے کو... کس کے بیٹے کو؟''

یہ سُن کر ڈی۔ کے۔ کے چہرے کا رنگ اُڑ گیا۔ ایک بے چینی سی جھلک رہی تھی۔

''تیواری جی... میرا کوئی بیٹا نہیں۔ کیا بات کر رہے ہیں...''

فون لائن میں پھر گڑبڑ ہوئی۔

''ہیلو... ہیلو... ہیلو تیواری جی بات کیا ہے؟... ماسٹر جی نے اور کچھ بھی

کہا ہوگا۔ بات کیا ہے تیواری جی ہیلو... ہیلو...''

''اُن کے پاس ایک لڑکا ہے۔ جب سے اُس کی ماں اُسے چھوڑ کے گئی ہے۔''

''کون؟... کون؟... چھوڑ کے گئی ہیں۔''

''اُس کی ماں... بھاؤنا...''

''بھاؤنا... بھاؤنا... اچھا...''

کچھ سمجھ کر پاس بیٹھی سیکریٹری کو کہا۔

''ایک منٹ...''

سیکریٹری اُٹھ کر چلی گئی، کمرے میں ڈی۔ کے۔ اکیلا رہ گیا۔

''ہیلو... ہیلو... تیواری جی... تیواری جی...''

فون کٹ چکا تھا۔ کچھ سوچتے ہوئے ڈی۔ کے۔ نے فون رکھا۔

15...

رات کے وقت، ڈی۔ کے۔ اپنے بیڈروم میں بیٹھا سگریٹ پی رہا تھا۔ اندو آئی اور اُس کے بالوں کو سہلاتے ہوئے پوچھا۔

''کوئی پریشانی ہے؟''

''نہیں؟''

پھر کمرے سے باہر جاتے ہوئے پوچھا۔

''نینی تال کا کال ملا تھا؟''

''ملا تھا۔ وہاں ماسٹر جی تو نہیں تھے کوئی، تیواری جی ملے تھے۔ اندو وہ کہہ رہے تھے کہ...''

کہتے کہتے اچانک رُک گیا۔ کچھ سوچ کر سر جھٹکا۔ اندو واپس کمرے میں

آ گئی۔

''کیا کہہ رہے تھے؟''

دوسری طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

''کہہ رہے تھے کہ ماسٹر جی کی طبیعت بہت خراب ہے۔ کچھ سنائی نہیں پڑا دوسری طرف سے لائن بہت خراب تھی۔ پر یہی کہہ رہے تھے کہ ماسٹر جی کی طبیعت خراب ہے۔''

''تو کچھ پیسے بھیج دو علاج کے لئے۔''

''بات صرف وہ نہیں ہے۔''

ڈی۔ کے۔ کی بے چینی بڑھ رہی تھی۔

''پھر کیا بات ہے؟''

''لیو می الون اندو۔ پلیز، بات کچھ اور ہے۔''

اندو، ڈی۔ کے۔ کی پریشانی سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ ڈی۔ کے۔ نے سمجھانے کے انداز میں کہا۔

''کوئی پرابلم ہے میری۔''

اندو اُس کے قریب آ کر کندھوں پر دباؤ ڈال کر بولی۔

''تمہارا ایسا کون سا پرابلم ہے جو میرا نہیں ہے۔''

وہ وہیں بیٹھ گئی۔ اور ڈی۔ کے۔ اُس کے زانوں پر سر رکھ کر لیٹ گیا۔

''کیا بات ہے؟''

''کچھ نہیں۔ کوئی آفس کی پرابلم ہے۔''

اندو چپ ہو گئی۔ ڈی۔ کے۔ اپنی سوچ میں کھو گیا۔ ایک خاموشی کمرے میں پھیل گئی۔

16...

ڈی۔کے۔آفس میں بیٹھا ٹیبل پر ایک ڈیزائن ٹھیک کر رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔اُس نے فون لیا۔

''ڈی۔کے۔''

''ہاں میں ہوں۔''

''ہاں بولو اندو۔''

''نینی تال سے ایک چٹھی آئی تھی، پڑھ کے سناؤ۔''

ڈی۔کے۔گھبرا گیا۔

''تم نے پڑھ لی۔''

''میں نے کھولی بھی نہیں۔کھولوں۔''

''نہیں... نہیں... ایسا ہے... شام کو آ کے گھر پہ پڑھ لوں گا۔نہیں سنو... ایسا کرو... نہیں میں آفس سے پیون کو بھیج دیتا ہوں۔اُس کے ہاتھ میرے پاس بھجوا دو۔او کے۔''

''او کے۔''

اندو سوچ میں پڑ گئی کہ ایسا کیا ہے اس خط میں۔

ڈی۔کے۔اپنے کیبن سے نکلا کچھ جھنجلایا ہوا، کچھ بے چین۔سکریٹری کو بھی کچھ کہہ دیا۔اور اُسی جھنجلاہٹ میں نکل گیا باہر۔کار میں بیٹھا اور گھر کی طرف چل دیا۔

راستے میں ماسٹر جی کی چٹھی حواسوں میں سوار رہی۔ماسٹر جی کے لکھے الفاظ اُسے چبھ رہے تھے۔

''بیٹے وہ کبھی نہیں چاہتی تھی۔تمہیں اس بچّے کے بارے میں معلوم پڑے۔جب بچّہ پیدا ہوا اور مجھے معلوم ہوا، تو بھاؤنا نے ایک ہی بات کہی تھی مجھے، کہ

ڈی۔ کے۔ کومت بتانا۔ اُس کی اپنی زندگی ہے، اپنا پریوار ہے۔''

خیالوں میں اس قدر کھویا تھا کہ اُسے ڈرائیونگ کا بھی احساس نہیں تھا۔ ٹکراتے ٹراتے بچا۔ کچھ سنبھلا اور پھر ماسٹر جی کی چٹھی کے الفاظ سر سرانے لگے۔

''اور وہ بچہ نہ ہنستا ہے نہ روتا ہے۔ سارا دن کھڑکی کے باہر دیکھتا رہتا ہے۔ نہ جانے کس کے انتظار میں... اتنی سی عُمر میں اُس کا بچپن ختم ہوتا جا رہا ہے۔ میں اس عُمر میں اُسے کچھ نہیں دے سکتا۔ اُسے ماں کی ضرورت ہے۔ باپ کی ضرورت ہے۔ اُسے ایک پریوار کی ضرورت ہے۔ ڈی۔ کے۔ وہ طرح طرح کے سوال پوچھتا ہے۔ جس کے جواب، میں نہیں، تم دے سکتے ہو۔

ڈی۔ کے۔ میرے پاس زندگی کے کچھ ہی دن باقی ہیں۔ جانے، سے پہلے، تمہارے بیٹے کو تمہارے پاس بھیج دینا چاہتا ہوں۔''

اور اسی اُدھیڑ بُن میں کے وہ کیا کرے کیا نہ کرے، وہ کار سے چلا جا رہا تھا۔

...17

ڈی۔ کے۔ کا گھر، منّی ٹی۔ وی۔ پر فلم دیکھ رہی تھی۔ اُس پر رشی کپور کا گانا چل رہا تھا۔

''اوم... شانتی، اوم...''

منّی بھی ساتھ گا رہی تھی۔ پاس ہی اندو، رنگی کو پڑھا رہی تھی۔ رنگی گانے کی آواز سے ڈسٹرب ہو رہی تھی۔ غُصّے سے کہا۔

''منّی چُپ کرنا۔ منّی۔''

''چنٹو انکل کا گانا آ رہا ہے... اوم... شانتی اوم۔''

رنگی نے ماں سے شکایت کی۔

''ممی اسے چپ کراؤ نا۔''

''آپ اِدھر دھیان کرو نا۔''

''اُف... !''

منّی گائے چلی جا رہی تھی۔ حساب کے کسی پرابلم پر اندو نے کہا۔

''اس کا کیا کریں گے؟''

''یہی تو معلوم نہیں ہے، وہی تو پوچھ رہی ہوں آپ سے۔ اوفو... یہ...''

''منّی... ٹی۔ وی بند کرو۔''

''ممی چنٹو ماما کا گانا آ رہا ہے۔ شانتی... اوم شانتی۔''

''چنٹو تمہارا ماما لگتا ہے؟''

اندو نے غصّہ میں اُٹھ کر ٹی۔ وی۔ بند کر دیا۔ منّی ضد کرنے لگی۔

''ممی... پلیز چنٹو ماما کا گانا آ رہا ہے۔''

لیکن اندو نے نہیں سنا اور آ کر رنکی کو پڑھانے لگی۔

اُسی وقت، ڈی۔ کے۔ گھر میں آیا تھکے قدموں سے بُجھا سا، خیالوں میں گھرا۔ اندو نے اُسے دیکھ کر کہا۔

''اوہ... ڈی۔ کے۔ آ گئے تم۔''

منّی بھاگ کر پاپا کے پاس آ کر ممی کی شکایت کرنے لگی۔

''پاپا، چنٹو ماما کا گانا آ رہا تھا۔ ممی نے ٹی۔ وی۔ بند کر دیا۔''

''کون چنٹو ماما؟''

''اوفو... تم نہیں جانتے... وہ...''

رنکی بھی آ گئی اور کہنے لگی۔

''پاپا، ممی کو یہ سَم نہیں آتا آپ پلیز بتایئے۔''

بچوں کے سوال ڈی۔کے۔کو اور پریشان کر رہے تھے۔اُس نے اندو سے کہا۔

"اندو سنبھالو انہیں۔"

"تم آ گئے۔چائے پیؤ گے؟"

"ہاں... چینی کم ڈالنا۔"

اندو اُس کے ہاتھ سے بیگ لے کر چائے بنانے چلی گئی۔ڈی۔کے۔ بچوں کے ساتھ دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

18...

ڈی۔کے۔اپنے کمرے میں اُداس بیٹھا تھا۔اندو کچھ کہتے ہوئے اندر آئی۔

"ڈی۔کے۔،رنکی کا حساب میری سمجھ میں نہیں آتا۔میتھس میں وہ بہت کمزور ہے۔کہیں وہ موٹی فرسٹ آ گئی تو... تو تم ہی پڑھایا کرو۔رنکی کو۔"

اندو بستر ٹھیک کر رہی تھی اور کہے جا رہی تھی۔ڈی۔کے۔اپنی پریشانی میں کچھ بھی نہیں سُن پایا۔کچھ سوچتے ہوئے ڈی۔کے۔نے کہا۔

"اندو... میں تمہیں کچھ بتانا چاہتا ہوں۔"

"کیا ہے وہ...؟"

"وہ تمہیں اچھا نہیں لگے گا۔"

"کیا بات ہے...؟"

"رہنے دو۔پھر کبھی بتا دوں گا۔"

اندو ایک پل کو سوچ میں پڑ گئی۔

"کچھ نہیں بس..."

''پلیز ڈی۔ کے۔ سوچامت کرو۔''

ایک خاموشی دونوں کے بیچ چھا گئی۔

''کیا بات ہے؟''

''... وہ... میری زندگی میں ایک اور لڑکی آئی تھی۔''

''ایسی باتیں مذاق میں بھی نہیں کرتے۔''

''میں مذاق نہیں کر رہا ہوں۔''

اندو ڈر گئی۔ اُس کے چہرے پر خاموشی لہرانے لگی۔

''میں مذاق نہیں کر رہا۔ جب میں گیا تھا۔ وہاں...''

''کہاں...؟''

''نینی تال... اولڈ بوائز کے فنکشن میں۔''

''وہ جب رنگی پیدا ہونے والی تھی؟''

اندو جیسے کچھ یاد کرنے لگی۔

''ہاں... وہ مجھے وہاں ملی تھی۔''

''کون...؟''

''بھاؤنا... وہ لڑکی... اندو وہ، مجھے معلوم نہیں، میں کیسے اپنے آپ کو سنبھال نہیں پایا۔ شاید میں اکیلا تھا وہاں۔ اور وہ بھی اکیلی تھی۔ ایک بار میں اُس کے گھر گیا۔''

یہ سنتے سنتے ہی اندو کا اعتبار ڈگمگانے لگا۔ اُس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔

''اور اُس کے کہنے سے، ایک رات وہاں رُک گیا میں، نہیں رُکنا چاہیئے تھا نا مجھے، نہیں رُکنا چاہیئے تھا۔''

اتنا سنتے ہی اندو بُری طرح رو پڑی۔

''اندو... اُس کے بعد میں کبھی بھی اُس سے نہیں ملا۔ اور تب بھی میرا اُس سے خاص رشتہ نہیں تھا۔''

ڈی۔ کے۔ اندو کے قریب گیا تو وہ بولی۔

''خاص رشتہ نہیں تھا۔ اس سے زیادہ اور کیا رشتہ ہو سکتا ہے؟ ڈی۔ کے۔... کیا چاہتی ہے... وہ...؟''

''کچھ نہیں... وہ تو مر چکی ہے۔''

یہ سُنتے ہی اندو نے گھوم کر ڈی۔ کے۔ کو دیکھا۔

''تو پھر......''

''اُس... اُس سے... ایک بیٹا ہے میرا۔''

یہ سُنتے ہی رُکے ہوئے آنسو پھر اندو کی آنکھوں سے بہنے لگے۔ ٹوٹی شاخ کی طرح وہ کرسی پر ڈھ گئی۔

''ایسا مت کہو... ایسا مت کہو ڈی۔ کے۔... اوہ گوڈ یہ کیا ہو رہا ہے۔''

اُسی وقت رنکی کمرے میں آئی اور ماں کو روتے دیکھ بولی۔

''ممی...''

ڈی۔ کے۔ نے رنکی سے کہا۔

''بیٹا آپ، آپ اپنے کمرے میں جاؤ۔ چلو جاؤ۔''

رنکی کچھ سمجھ نہیں پائی۔ ڈی۔ کے۔ نے اُسے باہر کر کے دروازہ بند کر دیا۔ پلٹا تو اندو باتھ رُوم میں تھی۔ اُس کے رونے کی آواز آ رہی تھی۔

19...

صبح پورا پریوار ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھا تھا، پھر بھی ایک خاموشی چھائی تھی۔
چھوٹی منّی اس سنّاٹے کو برداشت نہیں کر پائی اور گانا گنگنانے لگی۔
''طیب علی پیار کے دُشمن... ہائے... ہائے۔ جان کا دُشمن ہائے...''
ابھی بھی کوئی کچھ نہ بولا۔ اندو چائے کے برتن ٹیبل پر رکھ کر جانے لگی تو رنکی
نے آواز دی۔
''ممی۔''
لیکن اندو رکی نہیں۔ چلی گئی۔''

20...

صبح صبح ڈی۔ کے۔ اپنے دوست سُوری صاحب سے ملنے اُن کے ٹینس
کورٹ گیا۔ وہ کھیل رہے تھے۔ اُسے دیکھ کر مذاق کیا۔
''ہیلو سٹرینجر۔ کہاں ہو بھائی۔ کہہ رہا تھا کسی کام میں پھنس گیا۔ بتا کیا بات
ہے۔ آج کیسے آنا ہوا؟''
''تیرے سے کچھ بات کرنی ہے۔ بہت بڑا پرابلم ہے۔''
''کیا ہے...؟ جنسل کی پرابلم ہے تو بتا، ابھی فٹ کرا دیتا ہوں۔ آ بیٹھ...''
دونوں سائیڈ میں لگی کُرسیوں پر بیٹھ گئے۔
''یار یہ بتا تُو۔ اگر تیری کمپنی کو وہ کونٹریکٹ مل جاتا ہے تو تجھے کیا ملے گا؟''
''وہ پرابلم نہیں۔ کچھ اور ہے۔''
''تو پرابلم کو سول کرتے ہیں۔''
ایک اور شخص اُن کے درمیان میں آ کر بیٹھ گیا اور سُوری صاحب سے کہنے

لگا۔

''کیوں سوری صاحب، کھیل ہو گیا۔''

''کیوں مخول کرتے ہیں۔ ہم تو کام دھندے میں اور وہسکی پینے میں لگ گئے۔ ورنہ ہم بھی، بیٹے کی طرح ومبلڈن کی تیاری کرتے۔''

سوری صاحب کا لڑکا ٹینس کھیل رہا تھا۔ اُسے دیکھ کر کہنے لگے۔

''ہیا۔ ڈے۔ کے۔ جو اپنے بیٹے کو جوان ہوتے دیکھنے میں مزہ آتا ہے۔ وہ اپنی جوانی میں بھی نہیں آتا تھا۔ یو مسٹ ہیو فن یار۔ کیوں۔ ڈی۔ کے۔ بیٹا بہت ضروری ہے۔''

پھر دوسرے شخص سے۔

''کیوں جی آپ کا بیٹا تو، آپ کا بزنس سنبھال ہی لیتا ہے نا؟''

ڈی۔ کے۔ کو لگا جو بات کرنے آیا تھا اب نہ ہو سکے گی۔ اس لئے کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔

''سوری میں... چلتا ہوں۔''

''ارے سُن تو۔ تُو تو کوئی پرابلم...''

''پھر کبھی... میں چلتا ہوں۔''

ڈی۔ کے۔ کہہ کر چل پڑا۔

21...

ڈی۔ کے۔ کے گھر کی دروازے کی گھنٹی بجی۔ اندو نے آ کر کھولا۔ پوسٹ مین نے اُسے ایک رجسٹرڈ لیٹر دیا۔ اندو اُس خط کو کھولتے ہوئے اندر کی جانب بڑھی۔ اور خط پڑھنے لگی۔

...22

ڈی۔کے۔ کے آفس کی گھنٹی بجی۔ ڈی۔کے۔ نہیں تھا۔ اُس کی سیکریٹری نے فون لیا۔

''ہیلو... ہیلو... ہاں، ہاں بتا دوں گی۔ ہیلو... میسج ملے گا۔''

فون پر اندو تھی۔ اُس نے فون رکھا۔ چہرے پر غُصّہ تھا اور ہاتھ میں وہی رجسٹرڈ لیٹر جو پوسٹ مین دے گیا تھا۔ غُصّے میں اُسے پھاڑ کر پھینک دیا۔

...23

ڈی۔کے۔ اپنے باس کے ساتھ ایک کمرے میں میٹنگ میں بیٹھا تھا۔ اُسی وقت، اُس کی سیکریٹری نے ایک پرچی لا کر اُس کے سامنے رکھی۔ اُسے پڑھ کر ڈی۔کے۔ کے چہرے پر مایوسی اور جھنجھلاہٹ چھا گئی۔ وہ میٹنگ چھوڑ کر کمرے سے چلا گیا۔

...24

اندو گھر کے باہر ٹیکسی میں بیٹھی کہیں جانے کے لئے۔ سامنے سے ڈی۔کے۔ کی کار آ گئی۔ ڈی۔کے۔ اُسے دیکھ کر کار سے اُتر آیا۔ اور پوچھنے لگا۔

''اندو کہاں جا رہی ہو؟''

''معلوم نہیں۔ کہیں بھی۔''

''کیا کہہ رہی ہو؟... ایک منٹ میری بات سُنو گی۔''

''مجھے کچھ بھی نہیں سُننا۔''

ڈی۔کے۔ نے ٹیکسی کا دروازہ کھولا اور کہا۔

''ایک منٹ میری بات بھی تو سنو۔ نیچے تو آ جاؤ۔''

اندو ٹیکسی سے باہر نکلی۔

''مجھے نہیں معلوم تھا، وہ بچہ یہاں آنے والا ہے۔''

''جھوٹ مت بولو۔''

''سچ کہہ رہا ہوں۔ مجھے نہیں معلوم تھا۔''

''ٹھیک ہے۔ چاہے جو کچھ ہو جائے وہ لڑکا یہاں نہیں آئے گا۔ اس گھر میں نہیں آئے گا۔''

ٹیکسی والا ابھی تک انتظار کر رہا تھا۔

''میم صاحب۔ ٹیکسی چاہیئے یا نہیں۔''

ڈی۔ کے۔ نے کہا۔

''نہیں چاہیئے۔''

پھر کچھ سوچ کر ٹیکسی والے کو پیسے دیئے۔ پھر پلٹ کر اندو سے کہا۔

''اندو... پلیز... بس کچھ دنوں کے لئے۔ وہ یہاں آ رہا ہے۔ بس... تو میں کیا کروں؟''

''چاہے جو کرو۔ پر وہ یہاں نہیں آئے گا۔''

''بس اندو، وہ کچھ دنوں کے لئے آئے گا، میں وعدہ کرتا ہوں۔''

''مجھے تم پر اعتبار نہیں رہا۔''

''تم ہی نے تو کہا تھا۔ میری ہر پرابلم، تمہاری ہے، اس بار ساتھ نہیں دو گی۔''

اُسی وقت دونوں بچیاں سکول سے لوٹ آئیں۔ دونوں سکول کا بیگ لئے سکول کے ڈریس میں تھیں۔ اُنہیں دیکھ کر اندو نے دھیمی آواز میں کہا۔

''تم چاہتے کیا ہو؟... تم کچھ بھی کرتے رہو، میں سہتے رہوں۔ میں بھی تو

انسان ہوں، میری بھی کچھ فیلینگس ہیں۔ مجھ پہ کیا گزرے گی، تم نے سوچا کبھی۔ یہ بچے... انہیں کیا کہیں گے۔ سوچا تم نے؟..."

تب تک دونوں بچیاں اُن تک پہنچ چکی تھیں۔ آتے ہی بڑی لڑکی رنگی نے کہا۔

"میرے دونوں سُم غلط ہو گئے۔ ممّی دیکھونا۔ ممّی چل کر اندر دیکھو۔"

ماں کو چپ چاپ دیکھ کر رنگی نے ہاتھ پکڑ کر زبردستی اندر کی طرف بڑھی۔

"ممّی اندر چلونا۔"

اندو اُس ساتھ اندر چلی گئی۔ چھوٹی منّی نے ڈی۔ کے۔ سے فرمائش کی۔

"پاپا مجھے گودی لونا۔"

ڈی۔ کے۔ نے اُسے گود میں اُٹھا لیا۔ اُس نے ڈی۔ کے۔ کو پیار کیا۔ پھر دوسری فرمائش۔

"پاپا اندر لے چلونا۔"

ڈی۔ کے۔ اُسے گود میں لئے گھر کے اندر بڑھ گیا۔

...25

رات کا کھانا کھا کر ڈی۔ کے۔ اور بچیاں ڈائننگ ٹیبل سے اُٹھ گئے۔ اندو نے رنگی کو پکارا۔

"رنگو بیٹا ذرا سنو۔"

"کیا ہے ممّی۔"

"ہمارے یہاں، ایک لڑکا رہنے آ رہا ہے۔ اُس کا نام..."

ڈی۔ کے۔ اپنے کمرے کی طرف جا رہا تھا۔ یہ سُن کر رُک گیا۔ اور پلٹ آیا۔

"اُس کی ماں مر چکی ہے۔ اس لئے ہمارے پاس آ رہا ہے۔"

''لیکن اُس کی ممی کون تھیں؟''

''ہماری دُور کی رشتہ دار تھی۔''

ڈی۔ کے۔ بھی اُن تک آیا۔ چھوٹی منی خوش ہوگئی۔ اور پوچھنے لگی۔

''ممی وہ کتنا بڑا ہے؟''

اندو، ڈی۔ کے۔ کو دیکھ کر صوفے پر بیٹھ گئی۔ ڈی۔ کے۔ نے جواب دیا۔

''آٹھ نو سال کا ہے۔''

رنکی ماں کے ساتھ صوفے پر بیٹھ گئی۔ منی بھی اُس طرف بڑھی۔ رنکی نے اعتراض کیا۔

''ممی اتنا چھوٹا لڑکا، میرے ایگزام آ رہے ہیں، مجھے پڑھائی نہیں کرنے دے گا۔''

''نہیں وہ میرے ساتھ کھیلے گا۔''

''اُس کے پاپا کہاں ہیں؟... اُن کے پاس کیوں نہیں چلا جاتا۔''

ڈی۔ کے۔ نے بیٹی کی بات سُن کر اُس کے پاس جا کر سمجھانے لگا۔

''بیٹے اُس کے پاپا کہیں چلے گئے ہیں۔''

ڈی۔ کے۔ کے قریب آتے ہی اندو اُٹھ کر چلی گئی۔ رنکی کے سوال جاری رہی تھی۔

''اُس کو اکیلا چھوڑ کے؟''

ڈی۔ کے۔ وہیں صوفے پر بیٹھ گیا۔ منی اُس کی گود میں چڑھ گئی اور جواب دیا۔

''میرے پاپا مجھ کو چھوڑ کر کبھی نہیں جا سکتے۔''

اندو جو اپنے بیڈ روم میں جا رہی تھی، پلٹ کر بولی۔

''اچھا بچوں چلو جا کر سو جاؤ اپنے کمرے میں۔''

دونوں بچیاں اُٹھ گئیں۔اور باری باری بولیں۔

''گڈ نائٹ پاپا۔گڈ نائٹ پاپا۔''

بچیاں چلی گئیں۔ڈی۔کے۔وہیں بیٹھے حالات پر غور کر رہا تھا۔اندو بیڈ روم کی طرف پلٹی تو ڈی۔کے۔نے کہا۔

''تھینک یو اندو... تم نے سنبھال لیا۔''

''میں اپنے بچوں کو سنبھال رہی تھی۔''

غصے میں کہہ کر وہ بیڈ روم میں چلی گئی۔اور ڈی۔کے۔وہیں بیٹھا رہ گیا۔

26...

دِلّی ریلوے سٹیشن، ایک گاڑی آ کر رُکی۔ایک ڈبے میں سے تیواری جی رائل کو لے کر نکلے۔سامنے سے تیزی سے ڈی۔کے۔چلتا ہوا آیا۔تیواری جی رائل کو چھوڑ کر سٹیشن سے ہی لوٹ گئے۔

ڈی۔کے۔کے ساتھ کار کی فرنٹ سیٹ پر رائل بیٹھا تھا۔ڈی۔کے۔ڈرائیونگ کر رہا تھا۔اپنی سوچوں میں گم۔رائل بالکل گُم سُم سا چہرے پر ڈھیر ساری حیرت لئے بیٹھا تھا۔ڈی۔کے۔نے اُس سے پوچھا۔

''کھڑکی کھول دوں۔''

اور ہاتھ بڑھا کر اُس کی طرف کی کانچ نیچے کرنے لگا۔کچھ سوچ کر ڈی۔کے۔اُس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھنے لگا تو رائل نے اپنا ہاتھ ہٹا لیا۔کار دِلّی کے بازار سے گزرتی ہوئی، لال قلعے، کے پاس سے گزرنے لگی۔ڈی۔کے۔نے بات کرنے کے لئے بتانے لگا۔

''وہ دیکھو پُرانا قلعہ۔بہت پُرانا قلعہ ہے۔شیر شاہ سُوری نے... نہیں،

نہیں اب اس میں زُو ہے۔ بہت سارے جانور ہیں۔''

رائل نے ڈی۔ کے۔ کی بات کے جواب میں دُوسرا ہی سوال کیا۔

''آپ میری ممی کو جانتے تھے؟''

کچھ سوچتے ہوئے جواب دیا۔

''ہاں، بیٹا... جانتا تھا۔''

''اور میرے پاپا کو؟''

''پاپا کو نہیں...''

''ممی کہتی تھی۔ میرے پاپا مجھے ضرور مل جائیں گے۔ اب تو ممی بھی نہیں ہیں۔ اب میرے پاپا آئیں گے تو، مجھے ڈھونڈے گے، کیسے؟''

ڈی۔ کے۔ اُداس ہو گیا۔ اُس کی آنکھیں بھر آئیں۔

''ڈھونڈ لیں گے۔ ڈھونڈ لیں گے۔''

کہتے کہتے ڈی۔ کے۔ خاموش ہو گیا۔

27...

ڈی۔ کے۔ رائل کو لے کر گھر پہنچا۔ سامنے ہی منّی مل گئی۔ اُس نے رائل کو ملایا۔

''منّی یہ رائل ہے۔''

منّی نے کہا۔

''ہیلو۔''

''رائل... یہ منّی ہے۔''

کمرے سے رنکی بھی نکل آئی۔ اُس سے بھی ملایا۔

''رنکی بیٹے یہاں آؤ۔ راہل یہ رنکی ہے۔ رنکی یہ راہل ہے۔''

''ہیلو...''

اُوپر بیڈ رُوم سے اندو باہر نکل آئی۔ اندو دھیرے دھیرے قدموں سے اُتر رہی تھی۔ رنکی نے ماں کو دیکھ کر کہا۔

''وہ میری ممی ہے۔ ممی یہ راہل ہے۔''

راہل نے دبے انداز میں کہا۔

''نمستے۔''

منی نے خوش ہوتے ہوئے پُوچھا۔

''ممی، راہل ہمارے کمرے میں سوئے گا؟''

''نہیں، اِن کا بستر سٹڈی میں لگا دیا گیا ہے۔''

رنکی نے جھٹ کہا۔

''لیکن، ممی میں وہاں پڑھتی ہوں۔''

''کچھ ہی دنوں کی بات ہے۔ عبدُل سامان رکھ دو سٹڈی میں۔''

عبدُل اُس کا سامان اُٹھا سٹڈی روم کی طرف چل دیا۔ پیچھے پیچھے راہل بھی ۔اندو نے بچیوں سے کہا۔

''تم دونوں اُوپر کمرے میں آ جاؤ۔''

ڈی۔ کے۔ شرمندہ سا، سر جھکائے، مُجرموں کے انداز میں کھڑا رہا۔ سب چلے گئے۔ وہ بھی اُوپر جانے کے لئے سیڑھیوں پر قدم رکھ رہا تھا کہ کچھ سوچ کر رُک گیا۔

28...

دوسری صبح سبھی لوگ ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھے تھے۔ رائل، ڈی۔ کے۔ کی بغل میں بیٹھا تھا۔ رنکی آئی اور کہنے لگی۔

"اُٹھو... یہ میری جگہ ہے۔ پاپا کے بغل میں مَیں بیٹھتی ہوں۔"

رائل اُٹھ گیا۔ ڈی۔ کے۔ نے کہا۔

"بیٹے، تم وہاں بیٹھ جاؤ۔"

رائل آ کے اندو کے بغل میں بیٹھ گیا۔ اندو کو جھنجلاہٹ اور گھبراہٹ شروع ہو گئی۔ اُس نے پانی کا گلاس اُٹھا کر پانی پیا پھر بولی۔

"اوہ... عبدل، چاول نہیں لایا۔"

کہتے ہوئے اندو کچن میں چلی گئی۔ منی رائل کے سامنے بیٹھی تھی۔ اُسے دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ پھر اُسے چھیڑنے کے لئے آنکھ ماری، رائل بھی مُسکرا دیا۔

اندو کچن سے چاول کی پلیٹ لے آئی۔ پھر سب کی پلیٹ میں ڈالنے لگی۔ منی، رنکی کے پلیٹ میں ڈالا چاول۔ منی، رائل کو بتانے لگی۔

"ہمارا ایک چِنّی تھا جس کا نام منی تھا۔"

اندو نے ڈانٹا۔

"منی چُپ چاپ کھانا کھاؤ۔"

منی نے ان سُنی کر دی۔

"جب پاپا مجھے بلاتے تھے تو چِنّی آ جاتا تھا۔ جب وہ چِنّی کو بلاتے تو میں بھاگ کے آتی تھی۔"

اندو غُصّہ سے بولی۔

"منی..."

''ممی آج ناراض ہیں۔''

کہہ کر ہنس پڑی۔ اندو نے ڈی۔ کے۔ کو چاول دے کر راہل کے پاس آئی اُس کے سامنے پلیٹ رکھ کر مڑ کر اپنے کمرے کی طرف چل دی۔ بغیر ناشتہ کیے۔ ڈی۔ کے۔ نے پوچھا۔

''اندو تم نہیں کھاؤ گی؟''

اندو کچھ نہیں بولی اور کمرے میں چلی گئی۔

...29

رات کے وقت، راہل اپنے کمرے میں کچھ لکھ رہا تھا۔ اُسے کسی کے گانے کی آواز سنائی دی۔ اندو اوپر دونوں بچیوں کو سُلا رہی تھی۔ اور گانا گا رہی تھی۔

دو نیناں اور ایک کہانی
تھوڑا سا بادل تھوڑا سا پانی
اور ایک کہانی . . .

چھوٹی سی دو جھیلوں میں وہ بہتی رہتی ہے
کوئی سُنے یا نہ سُنے کہتی رہتی ہے
کچھ لکھ کے اور کچھ زبانی
تھوڑا سا بادل تھوڑا سا پانی . . .

راہل بیچ بیچ میں رُک کر اندو کو دیکھتا وہ کس طرح پیار سے دونوں بچوں کو سُلا رہی تھی۔ ڈی۔ کے۔ نے راہل کو دیکھتے دیکھا۔

تھوڑی سی بے جانی ہوئی، تھوڑی سی نہیں
جہاں رُکے آنسو وہیں پُوری ہو گئیں
ہے تو نئی پھر بھی پُرانی
تھوڑا سا بادل تھوڑا سا پانی . . .

رائل اپنے ماضی میں کھو گیا۔ جہاں وہ اپنی ماں کے ساتھ جنگل میں پیڑ کے پیڑوں کے بیچ کھیل رہا تھا۔ پھر اپنی ماں کی چِتا کا جلتا ہوا لمحہ یاد آیا۔

ایک ختم ہو تو دوسری رات آ جاتی ہے
ہونٹوں پہ پھر بھولی ہوئی بات آ جاتی ہے
دو نینوں کی ہے یہ کہانی
تھوڑا سا بادل تھوڑا سا پانی . . .

رائل اُسی یاد کو سوچتے، ٹہلتے ہوئے گھر کے لان میں آ گیا۔ ایک بینچ پر بیٹھ کر کھلے آسمان کو دیکھنے لگا۔ ڈی۔ کے۔ بھی اُس کے پیچھے آ گیا، اور اُسے آسمان تکتے دیکھ کر پوچھا۔

''بیٹے... یہاں اکیلے بیٹھے کیا کر رہے ہو؟''

کہتے ہوئے اُس کے برابر میں بیٹھ گیا۔

''میں تارے کو دیکھ رہا ہوں۔ ممی کہتی تھی۔ اگر ٹوٹتے ہوئے تارے کو دیکھ لو۔ تب جو بھی مانگو مل جاتا ہے۔''

دونوں آسمان کی طرف دیکھ رہے تھے۔

''دیکھو... دیکھو انکل ٹوٹتا ہوا تارا۔ چلا گیا۔''

''کچھ مانگا... تم نے؟''

''ہاں!''

''کیا...؟''

''میں نہیں بتاتا۔''

''کیوں؟...''

راحل چپ رہا۔

''اچھا... اچھا... اندر چلیں۔''

''ہوں!''

دونوں کھڑے ہوئے اندر جانے لگے۔ راحل رُک گیا۔

''انکل۔''

''ہاں بیٹے۔''

''میں آپ کو بتاؤں، میں نے کیا مانگا؟''

''ہاں۔''

''میں نے مانگا، میرے پاپا مجھے مل جائیں۔''

ڈی۔ کے۔ بہت محبت اُسے دیکھنے لگا۔ جیسے اُسے یقین دِلا رہا ہو کہ اُس کے پاپا مل جائیں گے۔

30...

دُوسری صُبح بچیاں سکول جا رہی تھی۔ ساتھ اُن کے اندو بھی تھی۔ بالکل بُجھی، اُداس، جیسے رنج وغم سے زور آزما تھی۔ رنگی نے آواز دی۔

''چلیئے نہ پاپا، بہت دیر ہو رہی ہے۔''

ڈی۔کے۔تیزی سے باہر کی طرف آ رہا تھا، اندو اندر کی طرف جانے لگی۔ دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔اُسی وقت رائل بھی نکل آیا۔ بالکل اُن دونوں کے بیچ۔اندو نے کہا۔

''بچّوں کو دیر ہو رہی ہے۔''

کہہ کر رُکی نہیں، اندر بڑھ گئی۔

31...

ہال میں اندو بیٹھی سیوٹر بُن رہی تھی۔اور ساتھ ہی سوچ جا رہی تھی۔رائل بھی اپنے کمرے سے نکل کر آ گیا۔اُس کے قریب آیا تو اندو نے مُنہ پھیر لیا۔ ہاتھ غُصّے سے اور تیزی سے چلنے لگے۔رائل نے پوچھا۔

''آپ میری ممّی کو جانتی تھیں؟''

رائل کچھ اور قریب آیا۔

''انکل تو جانتے تھے۔''

اندو وہاں سے اُٹھ کر ڈائننگ ٹیبل کی کُرسی پر جا بیٹھی۔رائل اُسے دیکھتا رہا ۔بہت دیر تک تکتا رہا۔اندو کو اُلجھن ہونے لگی، پوچھا۔

''کیا ہے؟... ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟''

''ممّی بھی ایسی پھولوں والی ساڑی پہنتی تھی۔''

''اچھا... مجھے کام کرنے دو۔''

اندو وہاں سے اُٹھ کر اوپر، اپنے بیڈروم میں چلی گئی۔رائل اُسے دیکھتا رہا۔

...32

اندو، چندا کے ساتھ اُس کے آفس میں سائیڈ کے صوفے پر بیٹھی تھی۔ اندو نے اُسے راہُل کے بارے میں سب بتادیا۔

چندا نے غُصّے میں کہا۔

''تم نے اُس لڑکے کو آنے کیسے دیا۔ گھر میں رکھا کیسے؟''

اندو کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری تھیں۔

''رکھا کیا؟... بس آ گیا۔ اُسے دیکھتے ہی ڈی۔ کے۔ اور اُس کا خیال آتا ہے۔ ایسا لگتا ہے، چندا سب چھوٹ گیا۔ ایسا لگتا ہے، جیسے سب کی زندگی میں ہوتا ہے آئی ایم چیٹیٹ۔''

اندو روتی رہی۔ سِسکتی رہی اور آواز ٹوٹ رہی تھی۔ چندا اُس کے قریب ہو گئی اور تسلی دی۔

''جتنا کمزور ہو گی اندو، اُتنا ہی زیادہ سہنا پڑے گا۔''

تبھی ٹیبل کا فون بج اُٹھا۔ چندا اُٹھ کر گئی اور فون اُٹھایا۔

''ہاں... ہاں ابھی آ رہی ہوں۔ آتی ہوں۔''

اندو سے کہہ کے پاس کے کاؤنٹر پہ گئی، اور ورکر کو ڈانٹ کر پھر اندو کے پاس واپس آئی، اور کہنے لگی۔

''جب مجھے میجر صاحب چھوڑ کے گئے تھے۔ میں بھی سسکیاں مارتی تھی، تمہاری طرح۔ اب دیکھو مجھے کس چیز کی کمی ہے۔ اپنا کام سنبھالتی ہوں۔ اپنے لئے جیتی ہوں۔ اپنی طرح جیتی ہوں۔ ایک آزاد عورت کی طرح۔''

''اور تمہارا بیٹا، اُس کی یاد نہیں آتی۔''

یہ سُن کر چندا چُپ چاپ اندو کو دیکھتی رہ گئی اور پلٹ کر دوسری طرف چلدی۔

33...

رنکی پڑھ رہی تھی۔ منی مُسکراتے ہوئے اُس کے پاس آئی اور بولی۔

''میں تمہیں پوئٹری سناؤں۔''

''میں پڑھ رہی ہوں۔ کوئی ضرورت نہیں۔''

''پلیز۔''

''میں نے کہا نا۔ میں سٹڈی کر رہی ہوں۔''

منی نے ان سُنی کر دی اور اپنی پوئٹری پڑھنے لگی۔

''کس نے بنایا چڑیوں کو۔ چڑیوں کو...''

رنکی نے زور سے چیخ کر ماں کو آواز دی۔

''ممی ......ممی ''

''اچھا میں جا رہی ہوں۔''

منی تیزی سے دوسری طرف بھاگ گئی۔

34...

راحیل اپنے کمرے میں کچھ لکھ رہا تھا دروازہ کھُلا، منی نے جھانکا اور پُوچھا۔

''راحیل بھیا... میں آپ کو اپنی کویتا سناؤں؟''

''ہاں سناؤں۔''

منی دروازہ چھوڑ کر اندر آ گئی، اور راحیل کے سامنے کھڑے ہو کر ایکشن سے کویتا پڑھنے لگی۔

''کس نے بنایا... چڑیوں کو... چڑیوں کو

کس نے بنایا... آپ کو... اور مجھ کو

آپ کو... مجھ کو
ایشور سب میں ہے۔"
رائل منّی سے کو یتا سُن کر خوش ہوا۔ منّی کو یتا سُنا کر قریب آ گئی۔ رائل ایک
تصویر بنا رہا تھا۔ اُسے دیکھ کر منّی نے پوچھا۔
"یہ کس کی فوٹو ہے؟"
"یہ میری، میرے پاپا کی ہے۔"
"آپ کے پاپا ایسے تھے؟"
"پتا نہیں۔ ایسے ہی ہوں گے۔"
"کہاں ہیں؟"
رائل چُپ رہا۔ منّی تصویر کی کاپی لے کر صوفے پر بیٹھ گئی۔ اور بولی۔
"وہ تو مر گئے ہوں گے۔"
"نہیں۔ ممی کہتی تھی وہ بہت دُور گئے ہیں۔ ایک دن ضرور آئیں گے۔"
"میں نے ٹی۔ وی۔ پر دیکھا تھا، ایک اور بچّے کے پاپا کہیں دُور چلے گئے
تھے۔ اُس کی ممی کہتی تھی وہ ضرور آئیں گے، پر وہ تو مر گئے تھے۔ اُس کو پتا ہی نہیں تھا۔"
"جو فلم میں ہوتا ہے، وہ سچ تھوڑے ہی ہوتا ہے۔"
"ہاں... وہ تو فلم ہوتی ہے نا۔ میں اپنے پاپا سے کہوں گی، وہ تمہارے پاپا
کو ڈھونڈیں گے۔"
"وہ کیسے ڈھونڈیں گے؟"
"میرے پاپا بہت 'کلیور' ہیں، دیکھنا وہ، اُنہیں ڈھونڈ لیں گے۔"
اندو دروازے میں آئی اور دونوں کو بات کرتے دیکھ کر کہا۔
"منّی... آپ یہاں کیا کر رہی ہو؟"

''میں رائل بھیا کے ساتھ کھیل رہی ہوں۔''

''چلو سو جاؤ۔''

منّی اپنی ممی کے ساتھ کمرے سے نکل گئی۔ اندو نے منّی سے پوچھا۔

''رائل، بھیا کب سے ہو گئے؟''

35...

اندو اپنے بیڈروم میں، کوئی میڈیسن کھا رہی تھی۔ ڈی۔ کے۔ نے پوچھا۔

''یہ کیا لے رہی ہو؟''

بغیر اُس کی طرف دیکھے جواب دیا۔

''نیند کی گولیاں۔''

''نیند کی گولیاں لینے سے کچھ حل ہو جائے گا؟ کتنی بار تم سے معافی مانگ چکا ہوں۔ کتنی بار کہہ چکا ہوں ایک غلطی ہو گئی ہے۔ تم بھول نہیں سکتی؟''

ڈی۔ کے۔ نے الماری سے چادر اور تکیہ نکالی۔ اندو نے جواب دیا۔

''کیسے بھول سکتی ہوں، دس سال سے ایک جھوٹے رشتے کے ساتھ جیتی رہی۔ دس سال سے مجھے دھوکہ دیا۔''

''تم اس رشتے کو جھوٹ کہہ رہی ہو۔ تم دو بچوں کے رشتوں کو جھوٹ کہہ رہی ہو۔''

اندو غصے میں بستر پہ لیٹ گئی۔ ڈی۔ کے۔ قریب آیا۔

''ہمارے دو بچے ہیں۔''

''اُس کا بھی تو بچہ ہے۔ اُسے جھوٹ کہو گے؟''

ڈی۔ کے۔ ایک پل کو چپ ہو گیا۔ پھر اندو کو سمجھانے کے انداز میں کہا۔

''اندو... پلیز... یقین مانو، اس بچّے کے بارے میں، مجھے کچھ نہیں معلوم تھا۔ اگر معلوم ہوتا...''

''تو کیا کرتے؟... ہمیں چھوڑ دیتے؟''

اتنا سن کر ڈی۔ کے۔ نے اندو کو چھُو کر کہنا چاہا۔

''اندو......''

''مت چھُوؤ مجھے۔''

اندو کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں تھیں۔ ڈی۔ کے۔ چپ ہو گیا۔ اور سوچتے ہوئے کرسی پہ جا بیٹھا۔

36...

دوسرے دن صبح سُوری صاحب نے ڈی۔ کے کو فون کیا۔ اور لڑکی کی آواز میں بولے۔

''ہیلو... ڈی۔ کے۔ ملہوترا صاحب بول رہے ہیں؟... جی میرا نام...''

اتنے ہی میں اُن کی ہنسی چھوٹ گئی۔ اور وہ زور سے بولے۔

''ابے میں سُوری ہوں۔ سُوری۔ یار تُو بڑا لیزی ہو گیا ہے۔ تجھے معلوم ہے آج سنڈے ہے۔ سائیڈ وائیڈ پہ تو نہیں جاتا ہے۔ فارم پہ آرہا ہے کہ نہیں؟''

''میں نہیں آ سکتا۔ میرا مُوڈ نہیں ہے یار۔''

''تو مُوڈ نہیں ہے۔ تیرے موڈ سُوڈ کو میں سہی کر دوں گا۔''

''سُوری۔ سُوری سُن تو سہی۔ میرے ساتھ اندو کا بھی مُوڈ نہیں ہے۔''

''ارے اوے... تُو اندو کا تاؤ لگتا ہے۔ تُو دے اندو کو فون۔''

سُوری صاحب ہندی بھی پنجابی سٹائل میں بولتے تھے۔

37...

سُوری صاحب کا فارم ہاؤس۔ ڈی۔ کے۔ اپنے پریوار کے ساتھ وہاں پہنچا۔ سُوری صاحب نے ڈی۔ کے۔ اور بچّوں کو ریسیو کیا۔ اُن کی بیوی اور بیٹا بھی ساتھ تھے۔

''او... آ گئے مُوڈ کے مارے۔ مُوڈ آپ کے دُورست ہوئے۔''

عورتیں ایک دوسرے سے ملیں۔ ڈی۔ کے۔ اور سُوری صاحب ایک دوسرے سے ملے۔ راہُل کار کے پاس ہی کھڑا رہ گیا۔ منّی نے پلٹ کر دیکھا اور دوڑ کر گئی، اُسے ساتھ لانے کے لئے۔

''راہُل بھیا... چلونا۔ چلونا۔''

راہُل نے جواب نہیں دیا۔ منّی اُس کا ہاتھ پکڑ کر گھسیٹ لے گئی۔ رنگی سُوری صاحب سے مل رہی تھی۔

''ہیلو انکل۔''

''ہیلو بیٹا۔''

منّی قریب آئی تو سُوری صاحب نے اُسے گود میں اُٹھا لیا۔ اور پیار کیا۔ پھر راہُل کو دیکھ کر پوچھا۔

''ارے... یہ کون؟... کس کا بچّہ ہے۔ ڈی۔ کے۔''

ڈی۔ کے۔ اور اندو چُپ رہے۔ منّی بول پڑی۔

''یہ راہُل بھیا ہیں۔ اس کی ممی مر گئی ہیں۔ اس کے پاپا کہیں چلے گئے ہیں۔''

منّی نے ایک سانس میں سب کہہ دیا۔

38...

فارم میں رائل کھیل رہا تھا۔کھیلتے ہوئے بچے باغ کی طرف آ گئے۔ جہاں پھولوں کے کُنج تھے۔ سُوری صاحب کا بیٹا ایک بانس کی لکڑی ہاتھ میں لئے اُن پھولوں کے کُنجوں پر مار رہا تھا۔ رائل نے اُسے روکا۔

''انہیں مت مارو۔''

''یہ میرے پاپا کا ہے۔ میں اسے توڑوں گا۔''

''ان میں جان ہے، انہیں بھی چوٹ لگے گی۔''

''ہٹ... یہ کون کہتا ہے؟''

''میری ممّی کہتی ہے۔''

''ہٹ... تیری ممّی تو مر چکی ہے۔''

کہتے ہوئے وہ پھر لکڑی پھولوں پر مارنے لگا۔ رائل نے پکڑنا چاہا تو اُسے لکڑی لگ گئی۔ منّی سے دیکھے نہ گیا وہ بھاگ کر پاپا کے پاس شکایت کرنے گئی۔

''پاپا... پاپا... رائل بھیا کو بُو نے مارا۔''

مسز سُوری نے جھٹ انکار کیا۔

''بُو نے مارا، ہو ہی نہیں سکتا۔''

''میں نے دیکھا تھا۔ بُو نے مارا۔''

منّی کی شکایت پر سُوری صاحب نے غصّہ سے بیٹے کو آواز دی۔

''بُو... بُو... یہاں آؤ۔''

بُو قریب آ گیا۔

''تم نے رائل کو مارا۔''

''میں نے نہیں مارا۔''

مسز سُوری نے طرف داری کی۔

''میں کہا سی نا۔ میرا بُو نہیں ماردا کسی نو۔''

منّی نے جھٹ کہا۔

''نہیں جھوٹ بولتا ہے، مارا...''

ڈی۔ کے۔ نے بات کاٹی۔

''ٹھیک... ٹھیک ہے۔''

ڈی۔ کے۔ اُٹھ کر رائل کے پاس چلا گیا۔ سُوری صاحب نے منّی سے پوچھا۔

''آپ کیا پیو گی؟''

''تھمس اپ''

اندو یہاں آ کر بھی اُداس سی اِدھر، اُدھر پھر رہی تھی۔ نہ کسی سے بات کر رہی تھی نہ کسی کی سُن رہی تھی۔

ایک جگہ پانی بہہ رہا تھا۔ وہیں قریب میں رائل کھیل رہا تھا۔ ڈی۔ کے۔ اُس کے قریب آ گیا۔

''رائل... تم کو بُو نے مارا؟''

''نہیں...''

ڈی۔ کے۔ کھڑا اُسے کھیلتا دیکھتا رہا۔

سُوری صاحب نے کرکٹ کا سامان منگوایا اور زور سے بولے۔

''کون کھیلے گا کرکٹ؟... آ جاؤ سبھی۔''

بُو پہلے دوڑا آیا اور سُوری صاحب کے ہاتھ سے بیٹ چھیننے لگا۔

''پہلے ہم لوگ کھیلیں گے۔''

''پہلے بڑے پھر بچے۔''

''نہیں... نہیں... پہلے ہم کھیلیں گے۔''

بُو بولنگ کر رہا تھا۔ پہلے مُنّی نے بیٹنگ کی اور کلین بولڈ ہوگئی۔ پھر ڈی۔ کے۔ بیٹنگ پر آیا اور دو چار بول کے بعد آؤٹ ہوگیا لیکن مُنّی جو امپائرنگ کر رہی تھی، اُس نے آؤٹ نہیں دیا۔ بُو نے پھر بولنگ کی اور اس بار ڈی۔ کے۔ کیچ ہوگیا۔

بُو نے آ کر بیٹ سنبھالی۔ ڈی۔ کے۔ نے بولنگ کے لئے راہُل کو بال دیا۔ راہُل کی پہلی ہی بال پر بُو آؤٹ ہوگیا۔ ڈی۔ کے۔ نے خوشی سے کہا۔

''دیکھا میرے بیٹے کو...''

کہتے کہتے رُک گیا۔ اندو بھی سٹ پٹا گئی۔ سُوری اور اُس کی بیوی بھی حیران ہوگئے۔ ڈی۔ کے۔ چُپ چاپ مُڑ گیا۔

دن گزر گیا۔ رات ہوگئی۔ ایک طرف لکڑیاں جلادی گئیں۔ بچے کچھ دوری پر تھے اور بڑے سب اُس کے اطراف بیٹھ گئے۔ ایک ٹیبل بھی لگی تھی۔ سُوری صاحب بیٹھے اُس پر سلاد کاٹ رہے تھے، اور حسب توقع مذاق بھی کر رہے تھے۔

''پراپسٹی ہوئی، کٹلیری ہوئی۔ یہ سب تو ہم لندن سے خریدتے ہیں۔ سالے 15% ڈیوٹی لگا دیتے ہیں۔ یار ڈی۔ کے۔ کانٹے چمچے ہم نے کالج میں نہیں رکھے، تو ہم اپنے ٹیبل پہ کیسے برداشت کر سکتے ہیں۔''

''یار سُوری تم تو ایک بیوی بھی فورن کی لے آتے تو اچھا رہتا۔''

سلاد کی پلیٹ لے کر سُوری صاحب اپنی بیوی کی طرف بڑھے۔ پلیٹ دیتے ہوئے بولے۔

''بیوی... حضور کسی سٹور میں ملتی تو ضرور لے آتے۔ ایک بار نیویارک

میں...''

پاس بیٹھی اندو بالکل لاتعلق سی بیٹھی تھی۔ اچانک بول پڑی۔

'' کچھ ہے ایسا تو بتا دو نا۔ چھپاتے کیوں ہو؟''

''نہیں جی، چھپانے کی تو بات ہی نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ... جب کانتا میری لائف میں آئیں تھیں اُس سے پہلے ٹیرسی میری لائف میں آئی تھی۔''

کانتا نے پوچھا۔

''ٹیرسی وہ کون ہے؟''

''ہاں... ٹیرسی... وہ...''

ڈی۔ کے۔ نے سمجھایا۔

'' کانتا تم اتنا کیوں نروس ہو رہی ہو۔ اس کی تو عادت ہے چڑانے کی۔''

''چڑانے کی بات ہی نہیں ہے جب سے تم سے شادی ہوئی ہے، ملاقات ہوئی... اُس کے بعد کسی سے ملا ہوں... تو بتایا ہے کبھی میں نے...''

''جاؤ دوسری شادی کر لو۔''

''مذاق کر رہا ہے کانتا تمہیں چھوڑ کے یہ دوسری شادی کرے گا؟''

اندو بولی۔

''شادی کے بغیر بھی تو رشتے بن سکتے ہیں۔ شادی کوئی ضروری تھوڑے ہی ہے۔''

اندو اپنے اور ڈی۔ کے۔ کے مسئلے سے اُلجھی ہوئی بحث کر رہی تھی۔ جسے کانتا سمجھ نہیں پائی۔

''اندو کیا کہہ رہی ہو؟''

''ٹھیک کہہ رہی ہوں۔''

سوری صاحب نے کہا۔

''اندو میرے مطابق جو کچھ کہنا چاہتی ہو کہہ سکتی ہو۔ پر ڈی۔ کے۔ کے لئے کوئی ضرورت نہیں ہے۔''

''ضرورت پڑی تو کہا۔''

''مطلب...؟''

''مطلب انہیں سے پوچھو۔''

اتنا کہہ کر اندو وہاں سے ہٹ گئی۔ کانتا نے پوچھا۔

''ارے کیا ہو گیا اسے؟''

کہہ کر کانتا اُس کے پیچھے گئی۔ سوری صاحب نے ڈی۔ کے۔ سے پوچھا۔

''ماجرا کیا ہے؟... صبح سے میں دیکھ رہا ہوں، کہ تم دونوں کے بیچ ٹینشن ہے۔ جس طرح سے اندو بات کر رہی تھی اُس... لڑکے رائل سے یہ رائل کون ہے؟... ہوں!''

''میرا بیٹا ہے۔''

''کیا...؟''

''ہاں!... میں سن 73 میں جب نینی تال گیا تھا...''

...39

ڈی۔ کے۔ ماضی میں کھوتا ہوا۔

کالج میں پاس آؤٹ تھا۔ طلبہ کا مجمع لگا ہوا تھا۔ ڈی۔ کے۔ کے بہت سے پُرانے دوست آپس میں مل رہے تھے۔ ایک نے مذاق کیا۔

''ڈی۔ کے۔ اب تو تُو باپ بننے والا ہے۔''

دُوسرے دوست نے کہنے والے کو چڑایا۔

''ابے تیری تو شادی بھی نہیں ہوئی۔''

کچھ دُور ایک لڑکی اپنے پروفیسر کے پیر چھو رہی تھی۔ ڈی۔کے۔ کی آواز ماضی سے اُبھری۔

''اُس شور شرابے کے بیچ میں بھی وہ اکیلی۔ بھاؤنا اُس کا نام تھا۔ سکول کے دنوں سے جانتا تھا اُس کو میں۔ اُس وقت بڑی ہنس مکھ ہوا کرتی تھی۔ لیکن اب...''

پھر سے ڈی۔کے۔ آواز کے ساتھ ماضی میں پہنچا۔ جہاں پروفیسر صاحب ڈی۔کے۔ کو بتا رہے تھے۔

''بیٹے اس لڑکی کے ساتھ بہت بڑی ٹریجڈی ہوئی ہے۔ سکول میں تھی تب، جب اُس کا سارا پریوار موٹر ایکسیڈینٹ میں مارا گیا۔''

پھر ڈی۔کے۔ کی آواز۔

''پروفیسر نے بتایا کہ بھاؤنا بالکل کٹ گئی سب رشتوں سے۔ پروفیسر صاحب اُس کے پریوار کو جانتے تھے۔ اس لئے بھاؤنا کی ساری ذمہ واری اُن پر پڑی۔ وہ چاہتے تھے کہ بھاؤنا اپنے دُکھ کو کم سے کم کچھ ہلکا کر سکے۔ اُسے کوئی یہ سمجھائے۔''

بھاؤنا اور ڈی۔کے۔ پہاڑ کی وادیوں میں ٹہل رہے تھے۔ ایک جگہ دونوں آمنے سامنے کھڑے ہو گئے۔

بھاؤنا نے کہا۔

''مجھے اپنا ہاتھ دِکھاؤ۔''

ڈی۔کے۔ نے اپنی ہتھیلی کو بھاؤنا کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

''یہ دیکھو تمہاری شادی کی لکیر۔ تم اپنی شادی سے بہت خوش ہونا۔ کتنی گہری ہے۔''

''ہاں... بالکل...''

''یہ لکیر ایک جگہ آ کر، رہنے دو تم ان باتوں کا وشواس نہیں کرتے۔''

بھاؤنا ہاتھ چھوڑ دیا اور آگے بڑھ گئی۔ ڈی۔ کے۔ سوچ میں پڑ گیا۔

''تم نے دیکھا کیا۔ بتاؤ تو سہی؟''

''کچھ نہیں۔''

''اچھا ایک اور بات بتاؤ، ہمارے لڑکا ہوگا، یا نہیں؟''

ڈی۔ کے۔ نے بھاؤنا کے آگے ہتھیلی پھیلائی۔

''ایک لڑکا تو ہے۔ یہ والا لڑکا ہے یا لڑکی یہ نہیں معلوم۔''

''ہمیں تو بیٹا چاہیئے۔ اچھا تم اپنا ہاتھ دکھاؤ۔''

''میرا ہاتھ دیکھ کر کیا کرو گے؟''

بھاؤنا یہ کہہ کر دوسری طرف مڑی۔ ڈی۔ کے۔ پیچھے پیچھے آ گیا۔

''ارے دکھاؤ تو سہی۔ اب میں بتاتا ہوں تمہارا فیوچر۔ دکھاؤ۔''

ڈی۔ کے۔ نے بھاؤنا کا دایاں ہاتھ پکڑ لیا۔ اور دیکھنے لگا۔ بھاؤنا اُسے دیکھنے لگی۔ پھر کچھ سوچ کر بایاں ہاتھ دیا۔ ڈی۔ کے۔ دیکھنے لگا۔

''کہاں ہے... آپ کی شادی کی لکیر اوہو... بائیں ہاتھ... میں۔''

''یہ... بنتے بنتے رہ جاتی ہے۔''

''اوہو... لیکن آپ کسی سے...''

''کچھ یقین نہیں آتا، شادی ہے بھی۔ اور نہیں بھی۔''

''ہاتھ دکھاؤ... وہ تمہاری جیون ریکھا کہاں ہے؟''

''یہ...''

''یہ... یہ تو بہت چھوٹی ہے۔''

''معلوم ہے۔''

''معلوم ہے... او... ہو... تو آپ نے سوچ لیا ہوگا کہ آپ جلدی مر جائیں گی۔''

''سوچا نہیں۔ معلوم ہے۔''

''معلوم ہے۔''

پھر دونوں ٹہلتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔

40...

ایک پہاڑی پر بھاؤنا تصویر بنا رہی تھی۔ اس پہاڑی کا نام 'چینا پیک' تھا۔ یہاں سے پورا نینی تال نظر آتا تھا۔ دُور کھڑا ڈی۔ کے۔ اُسے دیکھ رہا تھا۔ اور سوچ رہا تھا۔ اُس سوچ کو وہ سُوری کے سامنے بیان کر رہا تھا۔

''اور وہ مرگئی کچھ دِنوں۔ مجھے یقین نہیں آتا، عجیب قسم کا اندھا وشواس تھا۔ بھاؤنا سے مل کر مجھے حیرت ہوتی تھی کہ کوئی انسان اپنے غم کو اتنے ورشوں تک اپنے میں پال کے رکھ سکتا ہے۔ جیسے غم ہی اُس کا مقصد بن گیا ہو۔''

41...

نینی تال کی جھیل میں بھاؤنا اور ڈی۔ کے۔ بوٹنگ کر رہے تھے۔ اور ڈی۔ کے۔ کی سوچ، آواز میں اُبھر رہی تھی۔

''بھاؤنا کے لئے، میرے دل میں ہمدردی تھی جو ایک انسان کو دوسرے انسان کے لئے ہوتی ہے۔''

ڈی۔ کے۔ بھاؤنا کو سمجھا رہا تھا۔

''ارے بھول جاؤں ان سب باتوں کو، ہاتھ کی لکیریں، ستاریں سب بکواس ہے۔ایک نارمل لڑکی کی طرح زندگی بتاؤ۔''

''ڈی۔کے۔میرے پاس آو۔ پلیز ڈی۔کے۔آؤ میرے پاس۔آ کے بیٹھو۔''

پھر ڈی۔کے۔کی سوچ، آواز میں اُبھری۔

''اُس نے مجھے اپنے پاس بلایا، میں چلا گیا اُس کے بعد جو ہوا۔ کیسے سمجھا سکتا ہوں اندو کو؟''

ماضی سے نکلتے نکلتے، ڈی۔کے۔ پشیمان اور روہانسا ہو گیا تھا۔ سوری اُس کی باتیں سُن رہا تھا۔

''سوری... چھوٹے چھوٹے میرے بچے... سب کچھ، سوری میرا گھر ٹوٹتا جا رہا ہے۔میں کیا کروں؟... کیسے سمجھاؤں ان کو؟... میرا گھر ٹوٹتا جا رہا ہے۔''

''پہل تجھے کرنی پڑے گی۔اُس بچے کو تجھے بھیجنا پڑے گا۔''

''جانتا ہوں یار۔کہاں بھیجوں؟''

''بورڈنگ سکول میں۔''

''اُس کا بھی تو کوئی حق ہم لوگوں پر، کہاں جائے گا، اُس کا کیا قصور ہے، اُس نے اصل میں کیا کیا ہے؟''

...42

ڈی۔کے۔کا گھر۔اندو اُداس سی، غصّہ میں بھری بیٹھی تھی۔ پاس ہی رنگی بیٹھی سکول کا ہوم ورک کر رہی تھی۔اُس نے ماں کو پکارا۔

''ممّی... یہ سم نہیں ہو رہا ہے مجھ سے۔بتاؤ نا آ کے اِدھر۔''

''رنگی مجھے ڈسٹرب مت کیا کرو۔ مجھ سے نہیں ہوتے تمہارے سَمس۔''

اندو وہاں سے اُٹھ کر چلی گئی۔

''ممی، آج کل آپ کو کیا ہو گیا ہے؟''

وہیں ہال کی سیڑھیوں پر چھپ کر رائل بیٹھا تھا۔ دونوں ماں بیٹی کی بات سُن رہا تھا۔

''میرے ایگزام سر پہ آ گئے ہیں۔ وہ موٹی پھر فرسٹ آ گئی تو میں کیا کروں گی؟''

رائل نے رنگی سے پوچھا۔

''میں بتاؤں؟''

''تمہیں آتا ہے؟''

''ہاں آتا ہے۔''

رائل سیڑھیاں اُتر کر رنگی کے پاس آ گیا۔ کاپی لے کر سَم کرنے لگا۔ چھوٹی منّی آ کر رنگی سے لپٹ کر پیار کرنے لگی۔

''کیا کر رہی ہو منّی؟...''

پھر رائل سے پوچھا۔

''یہ کیسے آتا ہے تمہیں؟''

''میتھس میں مَیں ہمیشہ فرسٹ آتا تھا۔ بس ہندی میں تھوڑا سا ویک تھا۔''

''آگے نہیں پڑھو گے تم؟''

رائل چپ رہا۔ منّی رنگی کے ساتھ کھیلتی رہی۔

''دِلّی میں رہو، یہیں پڑھنا۔''

''رہ لُوں؟...''

منّی نے جھٹ ہامی بھری۔

''ہاں یہیں رہ لو۔''

''آنٹی سے پوچھنا پڑے گا۔''

رنکی نے کہا۔

''ممی سے کیا پوچھنا، ممی کو تو سبھی بچے اچھے لگتے ہیں۔''

''ہاں ممی کو تو سبھی بچے اچھے لگتے ہیں۔''

''میں بھی...؟''

''ہاں... تم سے ذرا گھبراتی ہے۔ تم نئے ہونا۔''

...43

ڈی۔کے۔ کے آفس میں اُس کے باس وحون کہہ رہے تھے۔

''گپتا کہہ رہا تھا۔ ڈیزائن میں کافی کام باقی ہے۔''

''ہے... تو۔''

''ڈی۔کے۔ بنسل صاحب کے آفس میں ایک ہفتے میں پریزینٹیشن کرنا ہے۔ دو فون اُن کے آل ریڈی آچکیں ہیں۔ کیا ہوا ہے تمہیں؟''

ڈی۔کے۔ کچھ رُک کر بولا۔

''سوری سر۔ میری کوئی پرسنل پرابلم ہے۔''

''ورک از ورک، ڈی۔کے۔... ہوں!''

''او کے سر۔ سارا ڈیزائن گھر پہ لے کر جاتا ہوں، گھر پہ ہی ختم کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔''

کہہ کر ڈی۔کے۔ باس کے کیبن سے اُٹھ کر چلا گیا۔

...44

ڈی۔کے۔تھکا ہارا گھر آیا۔ مایوس اور اُداس سا۔ سیدھا اپنے بیڈروم میں چلا آیا۔ اندو جو کپڑے بدل رہی تھی اُسے دیکھ کر دوسرے رُوم میں چلی گئی۔ ڈی۔کے۔ اپنے ٹیبل پر سامان رکھ کر کرسی پر بیٹھ گیا۔ پھر آکر نیند کی گولی لی اور گلاس میں پانی لے کر کھالی۔ یہ دیکھ کر ڈی۔کے۔ نے پوچھا۔

''کب تک لیتی رہوگی نیند کی گولیاں؟''

اندو بستر پر لیٹ گئی۔ بولی۔

''جب تک نیند نہیں آتی۔''

ڈی۔کے۔ نے چُپ چاپ پھر سے اپنے دھیان کو کام لگانے کی کوشش کی۔ لیکن اُلجھنے لگا۔ غصّے میں ہاتھ کی پینسل پھینک دی۔ اور ٹیبل لیمپ آف کر دیا۔

...45

رنکی، رائل، کمرے میں بیٹھی تھی۔ رنکی ایک چٹھی پڑھ رہی تھی، جو رائل نے اپنے ماسٹر جی کو لکھا تھا۔

''پوجنے ماسٹر جی۔ میں یہاں بالکل اچھا ہوں۔ وہاں میرے پاپا کا کوئی چٹھی آئی ہے۔''

رنکی نے ہنس کر تصیح کی۔

''پاپا کی کوئی چٹھی آئی ہے۔''

''اچھا!''

''اُن کا کچھ پتہ چلا۔ یہاں انکل مجھے بہت پیار کرتے ہیں۔ یہاں پہ ایک آنٹی بھی ہیں۔ وہ بھی پیار کرتی ہیں پر ابھی شرماتی ہیں، آپ ٹھیک ہیں۔''

منّی، رائل کے پاس آئی اور کہنے لگی۔

''رائل بھیا... یہ پینٹنگ بنایا کس نے ہے؟''

''میں نے۔''

''اس میں کون کون ہیں؟''

''یہ تمہارے پاپا۔ یہ تمہاری ممی۔ تمہاری دیدی اور تم۔''

''ممی کی چوڑی کہاں ہے؟''

''وہ تو پیچھے ہے نا۔ نظر کیسے آئے گی؟''

منّی پیپر کو اُلٹا کر کے دیکھنے لگی۔

''ہاں نظر کیسے آئے گی؟... رتم کہاں ہو؟''

''میں تو یہاں بیٹھا ہوں۔''

''اس میں کہاں ہو؟''

''اس میں تو نہیں ہوں۔ ڈال دوں کیا؟''

''ہاں ڈال دو۔''

رتی کو کچھ یاد آیا اور اُس نے بتایا۔

''ارے... ممی کا پرسوں برتھ ڈے ہے۔ ارے مَیں تو اُن کے لئے چوڑیاں لانا ہی بھول گئی۔''

''رائل بھیا۔ آپ کیا لاؤ گے ممی کے لئے؟''

''میں آنٹی کے لئے، چوڑیوں کے لئے ڈبّہ بناؤں؟''

...46

سٹور روم میں بیٹھے تینوں بچے لکڑی کا ڈبہ بنانے کی کوشش کر رہے تھے۔

کرمتی نے کہا۔

''میں نے اپنی پوئم بنائی ہے سناؤں؟''

رنکی نے کہا۔

''ابھی رہنے دو۔''

لیکن متی شروع ہو گئی۔

''لکڑی کی کاٹھی، کاٹھی کا گھوڑا، گھوڑے کی دُم پہ مارا ہتھوڑا۔''

وہیں ایک کنارے لکڑی کا گھوڑا رکھا تھا۔ متی اُس پر بیٹھ گئی اور گانے لگی۔

لکڑی کی کاٹھی، کاٹھی کا گھوڑا

گھوڑے کی دُم پہ جو مارا ہتھوڑا،

دوڑا... دوڑا... دوڑا... دوڑا

ساتھ ہی رائل اور رنکی بھی شامل ہو گئے۔

لکڑی کی کاٹھی، کاٹھی کا گھوڑا

گھوڑے کی دُم پہ جو مارا ہتھوڑا،

دوڑا... دوڑا... دوڑا... دوڑا

گھوڑا دُم اُٹھا کے دوڑا،

گھوڑا پہنچا چوک میں، چوک میں تھانائی
گھوڑے جی کی نائی نے حجامت جو بنائی
دوڑا... دوڑا...

گھوڑا تھا گھمنڈی، پہنچا سبزی منڈی
سبزی منڈی برف پڑی تھی
برف میں لگ گئی ٹھنڈی
دوڑا... دوڑا...

گھوڑا اپنا تگڑا ہے دیکھو کتنی چربی ہے
چرتا ہے مہرولی میں
پر گھوڑا اپنا عربی ہے
ڈاک چھڑا کے دوڑا...
دُم اُٹھا کے دوڑا...

47...

دوسرے روز اپنی ممی کو جنم دن کی مُبارک باد دینے دونوں لڑکیاں، رائل کے ساتھ اپنے ماں باپ کے بیڈ رُوم میں پہنچیں۔ رائل باہر کھڑا رہا۔ رنگی نے دروازے سے مُڑ کر پکارا۔

''رائل آؤ۔''

''میں بعد میں آؤں گا۔''

کمرے میں اندو اور ڈی۔کے۔ابھی سوئے ہوئے تھے۔رنگی نے بڑھ کر کھڑکی کا پردہ کھینچ دیا۔اندو کے چہرے پر دھوپ پڑنے لگی۔اندو کی آنکھ کھل گئی۔ دونوں بچیوں نے ساتھ میں کہا۔

''ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔''

''تھینک یو۔''

اندو نے دونوں بچوں کو گلے سے لگا لیا۔اور پیار کرنے لگی۔ڈی۔کے۔کی بھی آنکھ کھل گئی تھی،اُس نے بھی وِش کیا۔

''ہیپی برتھ ڈے۔''

اندو نے خوشی سے پلٹ کر دیکھا۔اور پھر خیال آنے پر چہرے پر سختی چھانے لگی۔رائل دروازے کے باہر ہی کھڑا تھا۔اندو نے دیکھا تو اُس نے بھی وِش کیا۔

''ہیپی برتھ ڈے،آنٹی۔''

اندو نے سُست آواز میں جواب دیا۔

''تھینک یو۔''

اندو بستر سے اُٹھی۔پھر سب یاد آنے پر اُس کے چہرے پر بیزاری اور غُصہ بڑھنے لگا۔وہ ایسے ہی انداز میں باتھ رُوم میں چلی گئی۔

48...

نیچے ہال میں تینوں بچے اپنے اپنے گفٹ کو پیک کر رہے تھے،اندو کو دینے کے لئے۔رنگی اپنے گفٹ پر کچھ لکھ رہی تھی۔منی نے کہا۔

''میں بھی لکھوں گی۔''

''یہ کیا لکھے گی۔ بس میری رائیٹنگ خراب کر دے گی۔''

رنکی لکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اُسی وقت عبدل چائے کی کیتلی لے کر ڈائننگ ٹیبل پر رکھنے آیا۔ یہ سب دیکھ کر پوچھا۔

''بچوں کیا کر رہے ہو؟''

بچی نے گفٹ چھپانے کے لئے ہاتھ پیچھے کیا۔ منّی نے عبدل کو دھکّے سے ہال سے باہر نکال دیا۔ اندو سیڑھیوں سے نیچے آ رہی تھی۔ منّی نے دیکھ لیا۔

''ممّی آ رہی ہیں۔''

منّی نے ماں کا ہاتھ پکڑا اور اُسے لئے رنکی اور رائل جہاں بیٹھے تھے وہاں لے آئی۔

''کیا بات ہے؟''

رنکی نے چھپایا۔

''کچھ نہیں.... آپ بیٹھئے۔''

پاس کی کُرسی پر ماں کو بٹھا دیا۔ اندو نے پریزینٹ کھولنا شروع کیا۔

''یہ کیا ہے؟''

''یہ آپ کا برتھ ڈے پریزینٹ ہے۔''

''کیا ہے اس میں؟''

اندو نے پریزینٹ کھولنا شروع کیا۔

''آپ کھول کر دیکھئے۔''

اندو نے کھول کر دیکھا۔ ایک لکڑی کا ڈبہ چوڑیاں رکھنے کا۔ اندو خوش ہو گئی۔

''رنکی آپ لائیں؟''

رنکی نے نہ میں سر ہلایا۔

''نہیں۔''

''منی تو نہیں لائی ہوگی؟''

ڈی۔ کے۔ بھی سیڑھیاں اُتر رہا تھا۔ اندو نے پھر پوچھا۔

''کون لایا اس کو؟''

منی نے نے بتایا۔

''رائل بھیا نے خود اپنے ہاتھ سے بنایا۔''

اندو کے چہرے پر ایک خوشی کی لہر آئی۔ وہ رائل کو پیار کرنے بڑھنے لگی کے ڈی۔ کے۔ پر نظر پڑی اور وہ رُک گئی۔ منی نے بھی پاپا کو دیکھا اور بتانے لگی۔

''پاپا دیکھا۔ رائل بھیا نے ممی کے لئے کیا بنایا؟''

اندو کا غصہ ابھی اُترا نہیں تھا۔ وہ وہاں سے کچن میں چلی گئی۔ رنکی نے ڈبہ اُٹھا کر بتایا۔

''دیکھئے پاپا۔ رائل نے ممی کے لئے کیا بنایا؟''

ڈی۔ کے۔ جھک کر دیکھنے لگا۔

''ہوں ویری گڈ۔ یہ بوکس آپ نے بنایا، بہت اچھا ہے۔''

''آنٹی کو اچھا نہیں لگا؟''

''نہیں نہیں اچھا لگا۔''

ڈی۔ کے۔ نے مسکرا کر رائل کو پیار کیا۔ منی نے جھٹ کہا۔

''بہت اچھا لگا۔''

''ہاں، ہاں بہت اچھا لگا۔''

...49

اندو اپنے کمرے میں بیٹھی، ہاتھوں سے چوڑیاں اُتار رہی تھیں۔ تبھی اُسے گفٹ کا خیال آیا۔ اُس نے اُس بوکس کو اُٹھا کر دیکھا۔ اور چوڑیاں اُس میں رکھنے لگی۔ جیسے اُس نے رائل کے گفٹ کو قبول کر لیا۔

...50

رائل اپنے بستر پر سویا ہوا تھا۔ اُس کے کمرے کا دروازہ کھلا اور اندو اندر داخل ہوئی۔ وہ غور سے رائل کو سوتا ہوا دیکھ رہی تھی۔ پھر آگے بڑھ کر اُس نے اُس کا لحاف ٹھیک کیا۔ پھر اُس کا کمرا دیکھنے لگی۔ رائل کے سرہانے ایک لکڑی کا بوکس رکھا تھا۔ اُسے اُٹھا کر دیکھا۔ بوکس کے چاروں طرف رائل کی ماں بھاوُنا کی تصویر لگی تھی۔ وہ بھاوُنا کی تصویر دیکھنے لگی۔ آہستہ آہستہ اندو کے اندر غصّہ بھرنے لگا۔ اُس کا چہرہ نفرت سے جل اُٹھا۔ اور اُس کے ہاتھ سے بوکس گر گیا۔ وہ جلدی سے پلٹ کر کمرے سے نکل گئی۔

اپنے کمرے میں پہنچ کر اُس نے اپنے شیشے میں اپنا عکس دیکھا۔ پھر اپنے بیڈ کے پاس رکھا رائل کا دیا ہوا بوکس اُٹھایا۔ اُسے اُس بوکس پر چاروں طرف ڈی۔ کے۔ اور بھاوُنا کی تصویریں دکھنے لگیں۔ اُس نے غصّے سے بوکس کو زمین پر دے مارا۔ بوکس گرنے کی آواز سے ڈی۔ کے۔ نیند سے جاگ پڑا، اور پوچھنے لگا۔

''کیا ہوا؟''

''اپنے بیٹے کو لے جاؤ یہاں سے۔''

...51

ڈوسرے دن دوپہر میں، رائل سٹور رُوم میں لکڑی کا بوکس بنا رہا تھا۔
ہتھوڑی سے کیل ٹھونک رہا تھا کہ اُس کے ہاتھ میں چوٹ لگ گئی۔ اور خون بہنے لگا۔
رائل درد سے چیخا۔

''ماں...''

خون دیکھ کر وہ ڈر گیا۔ بھاگتا ہوا کچن کے دروازے پر آ کر کھڑا ہو گیا۔
وہاں اندو کچھ پکا رہی تھی۔ رائل درد کے مارے بول پڑا۔

''ممی ...''

یہ سُن کر اندو ایک پل کو گھبرا گئی۔ بچیاں تو سکول گئیں ہیں۔ یہ کون
ہے۔ دیکھا تو رائل۔ غُصّے سے کہا۔

''میں تمہاری ممی نہیں ہوں۔''

رائل ڈانٹ سُن کر گھبرا گیا۔ اور اُلٹے قدموں واپس ہونے لگا۔ اندو نے
اور ڈانٹا۔

''خبردار جو مجھے دوبارہ ممی کہا تو.....''

رائل اُلٹے قدموں کافی دور جا کر، ڈر کر اندو کو دیکھ رہا تھا۔ اندو غُصّے میں
بھری کچن سے نکل کر اُوپر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

...52

رات میں سبھی ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ منّی اور رنگی لڑ رہی
تھیں۔ منّی نے کہا۔

''میں گاجر نہیں کھاتی۔''

''سٹوپڈ تجھے تو کچھ بھی اچھا نہیں لگتا۔''

''یُو سٹوپڈ۔ یُو پاگل، یُو اُلو۔''

''ممی اِسے سمجھاؤ۔''

''رِنکی تم چُپ کھانا کھاؤ۔''

''رائل بھیا ذرا گو بھی دینا۔''

رائل ڈِش اُٹھانے لگا۔ ڈِش تھوڑی دُور تھی اُس نے دوسرا ہاتھ بھی بڑھایا۔ اُس میں چوٹ لگی تھی۔ اور پٹی بندھی تھی۔ خون سے پٹی لال ہوگئی تھی۔ منی یہ دیکھ کر چیخی۔

''خُون... خُون، پاپا رائل بھیا کے ہاتھ میں خون ہے۔ دیکھو نا رائل بھیا کے ہاتھ میں خون ہے۔''

سبھی کی نظر اُس کے ہاتھ پر پڑی۔ ڈی۔ کے۔ نے پوچھا۔

''کیا ہوا بیٹے؟''

رائل چُپ رہا۔ ڈی۔ کے۔ کھانا چھوڑ اُس کے پاس آ گیا۔

''اندو کیسے لگی اِسے؟''

اندو چُپ رہی۔

''اندو... میں پوچھ رہا ہوں اِسے چوٹ کیسے لگی؟''

''مجھے کیا معلوم۔ بتایا تھوڑے تھا مجھے۔''

''گھر میں بچے کو چوٹ لگ گئی اور تم کو معلوم نہیں۔''

''بچوں کے سامنے مت چلاؤ مجھ پر۔''

اندو اُٹھ کر جانے لگی۔

''صرف اس لئے کہ یہ تمہارا بیٹا نہیں ہے کسی اور کا ہے۔''

''جو اس کا باپ ہے وہی سنبھالے اِسے، میرے گلے کیوں باندھ رہے ہو؟''

اندو غُصے میں بھری چلی گئیں۔ ڈی۔ کے۔ بھی غُصے میں اُس کے پیچھے ہی کمرے میں چلا گیا۔ بچے اُن کی باتیں سُن کر سہم سے گئے۔

...53

کمرے میں پہنچ کر ڈی۔ کے۔ نے کہا۔

''اندو... اندو تمہیں شرم نہیں آتی ایسی باتیں کرتے ہوئے۔''

''تم سے زیادہ شرمناک بات نہیں کی میں نے۔ تمہیں شرم نہیں آتی اپنے کیے پر؟''

ڈی۔ کے۔ روہانسا ہو کر چیخ پڑا۔

''تو بتاؤ مجھے۔ میں کیا کروں؟... سُولی چڑھ جاؤں؟''

کہہ کر ڈی۔ کے۔ کمرے سے نکل گیا۔

...54

ڈی۔ کے۔ اپنے آفس میں باس کے کیبن میں بیٹھا تھا۔ دھون غُصے میں کہہ رہا تھا۔

''تمہیں چھٹی چاہیئے؟... کیسی باتیں کرتے ہو ڈی۔ کے۔ تمہیں معلوم ہے کتنے ارجنٹ کام باقی ہیں۔ آئی ایم سوری تمہیں چھٹی نہیں مل سکتی۔''

''سر اگر مجھے چھٹی نہیں مل سکتی تو مجھے ریزائن کرنا پڑے گا۔''

''ریزائن۔ تمہیں ریزائن کرنا پڑے گا۔ کیسی باتیں کرتے ہو تم؟... بات

یہاں تک پہنچ چکی ہے۔ لاپرواہی کی حد ہوتی ہے، اگر کام نہیں ہو سکتا تھا تو پہلے کہہ دینا چاہیئے تھا۔''

''میں نے آپ سے پہلے کہا تھا، میری پرسنل پروبلم ہے۔''

''میری بھی تو پروبلم ہے...... سنو ڈی۔ کے۔ مجھے کمپنی چلانی ہے۔ میں اکیلے تو نہیں چلا سکتا۔ بولو کیا بات ہے؟''

ایک خاموشی دونوں کے بیچ۔

''ٹھیک ہے جاؤ۔ جاؤ... تمہیں اپنی ذمہ داری معلوم ہے۔ جاؤ۔''

...55

نینی تال کی جھیل کا کنارا۔ رائل اور ڈی۔ کے۔ ساتھ ساتھ تھے۔ رائل دوڑ کر ناؤ تک پہنچا۔

''انکل آپ مجھے بوٹینگ کراؤ گے؟''

''بالکل۔''

''اور رائیڈنگ؟''

''وہ بھی کرائیں گے۔''

''اور چینا پیک۔''

''جاؤ گے وہاں پیدل؟''

''ہاں... وہ رہا ماسٹر جی کا گھر۔''

ڈی۔ کے۔ نے بھی ماسٹر جی کے گھر کی طرف دیکھا۔ دونوں ایک دوسرے کے پیچھے گھر کی طرف دوڑے۔ رائل پہلے گھر کے پاس پہنچا۔ پیچھے پیچھے ڈی۔ کے۔

بھی۔لیکن دروازے پر تالا لگا ہوا تھا۔دونوں نے ایک دوسرے کی جانب ناسمجھی سے دیکھا۔ پیچھے سے پوسٹ ماسٹر تیواری صاحب آگئے۔ ڈی۔کے۔ نے پہچانا۔

''ارے تیواری جی۔''

''کب آئے؟... نمستے؟''

''نمستے... ہم تو رائل کے ایڈمیشن کے لئے رئل کے سکول آنے والے تھے۔''

''ہاں۔ہاں پرنسپل صاحب نے مجھے بتایا تھا۔''

''رائل نمستے کرو تیواری جی کو۔''

''نمستے انکل۔''

''کیسے ہو بیٹے... آپ؟''

میں ٹھیک ہوں۔آپ کیسے ہیں؟... ماسٹر جی کہاں ہے؟''

تیواری جی ایک پل کو چپ ہو گئے پھر ڈی۔کے۔کی طرف دیکھ کہا۔

''وہ تو گزر گئے۔''

''ارے کب؟''

''کچھ دن پہلے۔اُن کو... دل کا دورہ پڑنے سے۔''

یہ سُن کر رائل بہت اُداس اور سُست قدموں سے آگے بڑھ گیا۔ڈی۔کے۔ بھی مائوس سا ہو گیا۔پھر اُسی پہاڑی وادیوں میں گھوم رہے تھے۔رائل نے پوچھا۔

''انکل۔میری ممی نے مجھ سے جھوٹ تو نہیں بولا۔''

''کیا؟...''

''ایسا تو نہیں... میرے پاپا ہیں ہی نہیں؟''

ڈی۔کے۔ بالکل خاموش سا اُسے دیکھے گیا۔رائل دوسری طرف چل دیا۔

...56

ایک سکول کے پرنسپل کے کمرے کے باہر برامدے میں رائل اور تیواری جی بیٹھے تھے۔اندر پرنسپل کے آفس میں ڈی۔کے۔پرنسپل کو سمجھا رہا تھا۔باہر رائل نے تیواری جی کو پوچھا۔

''تیواری جی میرا ایڈمیشن ہو جائے گا نا؟''

''ہاں ہو جائے گا۔''

''پھر مجھے یہیں رہنا ہوگا؟''

''ہاں... یہاں ہوسٹل ہے نا۔وہیں پہ رہنا۔''

پرنسپل کے کمرے سے ڈی۔کے۔اور پرنسپل صاحب ساتھ نکلے۔

ڈی۔کے۔نے پوچھا۔

''وہ رائل کی کتابیں۔کہاں سے مل جائے گی؟''

''آفس سے لسٹ مل جائے گی۔''

''اور یونیفارم،ہم بنوالیں۔''

''وہ بھی یہیں سے مل جائے گی؟''

''رائل یہاں آیئے۔ یہ آپ کے پرنسپل صاحب ہے۔ وِز اِز دی بوائے۔''

''کیسے بھیجیں گے اِسے؟''

تیواری جی نے کہا۔

''میں دِلّی جاؤں گا تو اِسے لیتا آؤں گا۔''

''تیواری جی لیتے آئیں گے۔''

پرنسپل رائل کے پاس آئے اور اُس کے سر پہ ہاتھ رکھ کے کہا۔

''ہیلو ینگ بوائے۔تو آپ ہمارا اسکول جوائنٹ کرنے والے ہیں۔''

''تھینک یو، بولو بیٹا۔ پرنسپل صاحب تمہارے ایڈمیشن کے لئے مان گئے ہیں۔تھینک یو بولو۔''

رائل چپ رہا، کچھ بولا ہی نہیں۔ ڈی۔ کے۔ اور پرنسپل صاحب آگے بڑھ گئے۔رائل اور تیواری جی بھی ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔

''تو سر فیس کے لئے میں چیک بھیج دوں گا۔''

تبھی چلتے ہوئے بلڈنگ کے دروازے تک آگئے۔ جہاں سے نیچے کی طرف سیڑھیاں گیٹ تک جا رہی تھیں۔ڈی۔ کے۔اور پرنسپل ابھی تک بات کر رہے تھے۔

''آفس دو دن بعد کھلے گا۔آپ آ کے،ایڈمیشن فارم آ کر بھر دیجئے۔''

''جی۔او کے۔ بہت بہت تھینک یو۔''

''دس دن بعد اسے بھیج دینا۔ڈونٹ بی لیٹ۔''

''او کے سر۔تھینک یو ویری مچ۔''

پرنسپل وہیں کھڑے رہ گئے،اور وہ تینوں باہر نکل گئے۔

57...

نینی تال کا ہوٹل،ڈی۔ کے۔ اخبار پڑھ رہا تھا۔رائل باتھ روم سے پیجامہ پکڑے پکڑے آیا اور ڈی۔ کے۔ سے بولا۔

''انکل یہ ناڑا اندر چلا گیا۔''

ڈی۔ کے۔ نے دھیان سے دیکھا۔

''ناڑا اندر گیا؟... اس کو باندھو نا اُوپر سے۔''

ڈی۔ کے۔ پریشان ہوا۔اُسے بھی ناڑا ڈالنا نہیں آتا تھا۔

''ادھر آؤ۔''

ڈی۔کے۔نے ناڑا پکڑا باندھنا چاہا۔لیکن ناڑا پورا باہر آ گیا۔یہ دیکھ کر دونوں ہنس پڑے۔

''ایسے ہی سو جاؤ نا۔''

''نہیں گر جائے گا۔''

''ارے کچھ نہیں گرے گا۔''

ڈی۔کے۔نے راہل کو گود میں اُٹھا کر اپنے بغل میں سُلا لیا۔

''انکل ٹائم کیا ہوا ہے؟''

''ساڑھے آٹھ۔کیوں؟''

''منّی باتھ رُوم میں برش کر رہی ہوگی۔اور رنکی زور زور سے دروازہ کھٹ کھٹا رہی ہوگی۔''

...58

ڈی۔کے۔کے گھر میں سچ مچ، منّی باتھ رُوم میں برش کر رہی تھی، اور رنکی زور زور سے دروازہ کھٹ کھٹا رہی تھی۔

''جلدی کرنا منّی۔جلدی کر۔''

منّی نے دروازہ کھولا تو ابھی تک اُس کے منھ میں پیسٹ لگا ہوا تھا پورا مُنہ جھاگ سے بھرا تھا۔اندو بھی آ گئی اور پوچھا۔

''ارے اتنا شور کیوں مچا رکھا ہے؟''

''ممّی، اس منّی سے کہو نا۔کتنی دیر سے باتھ رُوم میں......''

اندو نے منّی کو دیکھا۔اُس کا مُنہ ابھی تک گندا تھا۔

''چھی گندی بچی۔مُنہ دھو جا کے۔''

کچھ سوچ کر بولی۔

''اور سُنو۔تم دونوں آج میرے ساتھ ہی سو جانا۔''

منّی نے پوچھا۔

''ممّی آپ کو اکیلے ڈر لگتا ہے؟''

اندو نے جواب نہیں دیا اور واپس چلی گئی۔

59...

نینی تال میں پہاڑیوں کے بیچ وادیوں میں گھومتے ہوئے ڈی۔کے۔کے ساتھ رائل بہت خوش تھا۔ایک جگہ گھاس پر دونوں لیٹ گئے۔رائل نے کہا۔

''انکل آپ مجھے بہت اچھے لگتے ہیں۔''

''بیٹے۔آپ بھی ہمیں بہت اچھے لگتے ہو۔''

''جب پاپا آئیں گے۔تو میں اُن کے ساتھ نہیں رہوں گا۔''

''کیوں؟...''

''میں آپ کے ساتھ ہی رہوں گا۔''

ڈی۔کے۔اُسے دیکھنے لگا،اور سوچنے لگا۔رائل پھر بولا۔

''کیا میں،آپ کو پاپا بنا سکوں گا۔''

ڈی۔کے۔کھڑا ہو گیا بے چین سا۔وادیوں میں چیڑ کے پیڑوں سے ٹکراتا ایک گیت گونج اُٹھا۔

تجھ سے ناراض نہیں زندگی، حیران ہوں مَیں
تیرے معصوم سوالوں سے پریشان ہوں مَیں

جینے کے لئے سوچا ہی نہیں، درد سنبھالنے ہوں گے
مُسکرائیں تو مُسکرانے کے قرض اُتارنے ہوں گے
مُسکراؤں جب بھی تو لگتا ہے
جیسے ہونٹوں پہ قرض رکھا ہے

رائل، ڈی۔ کے۔ کے ساتھ گھڑسواری کر رہا تھا۔ کبھی جھیل میں مچھلیاں مار رہے تھے۔ دونوں ساتھ ساتھ بہت خوش تھے۔ بہت مزہ لے رہے تھے۔
ہوٹل کے کمرے میں ڈی۔ کے۔ شیو کر رہا تھا۔ اُسے دیکھ کر رائل نے بھی نقل کی۔ ڈی۔ کے۔ ہنس پڑا۔
اور وہی گیت پھر چل پڑا۔

زندگی تیرے غم نے ہمیں، رشتے نئے سمجھائے
ملے جو ہمیں دُھوپ میں ملے، چھاؤں کے ٹھنڈے سائے

آج اگر بھر آئی ہیں، بُوندیں برس جائیں گی
کل کیا پتہ، ان کے لئے آنکھیں ترس جائیں گی

ڈی۔کے۔ راہل کے سکول کے پرنسپل کے کمرے سے نکل رہا تھا۔ باہر راہل کھڑا تھا۔ اُس سے کہا۔

''تھینک یو فادر۔ تھینک یو۔''

پھر راہل کو ساتھ لے کر چلنے لگا۔ راہل بولا۔

''مجھے اس سکول میں نہیں رہنا ہے۔''

''کیوں...؟''

''مجھے اچھا نہیں لگتا۔''

''آپ کچھ دن یہاں رہیئے۔ آپ کو اچھا لگنے لگے گا۔ اور بھی تو بچے رہتے ہیں۔''

''میں دِلّی میں نہیں رہ سکتا؟''

''نہیں۔ آپ کو یہیں رہنا ہے کچھ دن، ہوسٹل میں۔ سمجھے۔''

''میں آپ کے ساتھ کیوں نہیں رہ سکتا؟''

راہل، ڈی۔کے۔ کو چھوڑ کر ہوسٹل کی طرف بھاگا۔ لیکن وہاں کے کمرے اور ہوسٹل وارڈن کا چہرہ دیکھ کر واپس لوٹ کر ڈی۔کے۔ کے پاس آ گیا۔ ڈی۔کے۔ نے اُسے گود میں اُٹھالیا۔ پھر گیت کے بول چل پڑے۔

جانے کب گم ہوا، کہاں کھویا
ایک آنسو چھپا کے رکھا تھا
تجھ سے ناراض نہیں زندگی...

راہل کو ڈی۔کے۔ نے اپنی پیٹھ پر چڑھالیا اور وادیوں میں گھومتا رہا۔

رات کے وقت بستر پہ لیٹا ڈی۔ کے۔ رائل کی ڈرائنگ کاپی دیکھ رہا تھا۔ رائل اُس کی پیٹھ دبا رہا تھا۔ ایک تصویر میں ایک آدمی کی تصویر تھی جو چشمہ لگایا ہوا تھا، پاس کے چھوٹا لڑکا بھی تھا۔ ڈی۔ کے۔ نے پوچھا۔

''ویری گُڈ۔ اور یہ کون ہیں؟''

''یہ میں ہوں۔ اور یہ میرے پاپا۔''

''آپ کے پاپا چشمہ پہنتے ہیں؟''

''ہاں!''

ڈی۔ کے۔ چونک کر اُسے دیکھا۔ اُس وقت ڈی۔ کے۔ نے بھی چشمہ لگا رکھا تھا۔ اُسے شک ہوا رائل اُسے ہی اپنا پاپا آئیڈیلائز کرتا ہے۔ ڈی۔ کے۔ کو پھر گیت کے بول سنائی دینے لگے۔

تجھ سے ناراض نہیں زندگی...

رائل بغل کے بستر پہ لیٹ گیا۔ ڈی۔ کے۔ نے اُسے کمبل اوڑھا دیا۔

60...

ایک ٹیکسی جس میں ڈی۔ کے۔ اور رائل دلّی واپس آئے تھے۔ بنگلے میں اُوپر بالکنی میں رنکی اور منّی بیٹھی تھیں۔ ٹیکسی کی آواز سُن کر نیچے دیکھا اور چلّا پڑی۔

''پاپا آگئے۔ پاپا آگئے۔''

اپنی کتابیں وہیں چھوڑ کر دونوں نیچے بھاگیں۔ منّی پہلے ممّی کے کمرے میں گئی۔

''ممّی ممّی پاپا آگئے۔''

ٹیکسی سے رائل اور ڈی۔ کے۔ نکلے۔ رائل بہت خوش تھا واپس آنے پر۔

اندو تیزی سے اٹھی آئینے میں اپنے عکس کو دیکھا۔ کنگھی لے کر بال ٹھیک کیا اور مڑ کر جانے لگی کے پھر یاد آ گیا وہی درد، وہی غصہ، ناراضگی۔

نیچے ہال میں رائل اور ڈی۔ کے۔ پہنچ گئے۔ بچیاں خوشی سے پاپا سے لپٹ گئیں۔ ڈی۔ کے۔ نے دونوں کو پیار کیا۔ منی چلا رہی تھی۔

''پاپا آ گئے۔ پاپا آ گئے۔''

ڈی۔ کے۔ اُن سے مل کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ بچے آپس میں ملے۔ رنگی نے کہا۔

''ہیلو رائل۔''

''ہیلو۔ ہیلو منی۔''

منی شرما کر رنگی کے پیچھے چھپ گئی۔

''ابھی اتنا چلا رہی تھی رائل بھیا آ گئے۔ رائل بھیا آ گئے۔ اور ابھی بات بھی نہیں کر رہی ہے۔ ابھی اتنا شرما رہی ہے۔ تھوڑی دیر بعد اُتنا ہی تمہارے پیچھے پڑ جائے گی۔''

61...

رات میں تینوں بچے کھیل رہے تھے۔ ایک دوسرے پر تکیہ پھینک رہے تھے۔ رنگی نے رائل سے پوچھا۔

''رائل تمہیں... نینی تال کے سکول میں ایڈمیشن مل گیا؟''

''ہاں...!''

''تو تم چلے جاؤ گے؟''

''ہاں!''

یہ کہتے ہوئے رائل اُداس ہو گیا اور ہاتھ کا تکیہ رکھ دیا۔ منّی اور رنگی بھی چپ سی اُس کے آس پاس آ کر بیٹھ گئیں۔

...62

عبدل نے گیٹ کھولا تو چندا، تیزی سے اندر داخل ہوئی۔ اور اندو کے پاس آ کر گلے لگ گئیں۔ چندا کے چہرے سے خوشی پھوٹ رہی تھی۔

''اندو۔''

''چندا۔ کیا ہوا؟''

''میجر صاحب... اور میں پھر سے... تم سمجھ گئی نا۔ میں کیا کہنا چاہتی ہوں۔''

''ہاں۔''

چندا بہت خوش تھی۔ لیکن اندو اپنے دُکھ سے پریشان تھی۔

''او ہو اندو... وِز از دی ہیپسٹ ڈے آف مائی لائف۔''

''تم تو کہتی تھی... تمھیں کسی سہارے کی ضرورت نہیں ہے۔ کسی پریوار کی ضرورت نہیں ہے، کیوں کہ تم آزاد عورت ہو۔''

چندا کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

''آئی نو... اگر میں صرف عورت ہوتی تو سب ٹھیک تھا۔ لیکن ماں بھی تو ہوں۔ جب میرے بیٹے نے میرا ہاتھ پکڑ کے کہا۔ ''پلیز ممی گھر چلو۔'' تو مجھ سے رہا نہیں گیا۔ مُجھ سے رہا نہیں گیا اندو۔''

اندو چندا کے اور قریب آ کر بیٹھ گئی۔ چندا نے کہا۔

''ایک بات کہوں اندو۔ جب ماں کی بھاؤنا جاگتی ہے، تب اُس کے سامنے عورت کھڑی نہیں رہ سکتی۔''

اندو یک ٹک چندا کے کھلے کھلے چہرے کو دیکھتی رہی۔ جیسے وہ جو کہہ رہی تھی وہ سمجھنے کی کوشش کر رہی ہو۔ گیٹ سے اُس کی دونوں بچیوں کی آوازیں آئی۔ دونوں سکول سے واپس آئی تھی۔

''ممی ... ممی ... ہیلو آنٹی۔''

منّی نے رنکی کی طرف دیکھا۔ رنکی نے کہا۔

''تو بتانا۔''

''تو بتانا۔ ممی رنکی کلاس میں فرسٹ آ گئی۔''

اندو نے پیار سے رنکی کو بھینچ لیا۔ منّی نے کہا۔

''راہُل بھیا نے تو سکھایا، تبھی تو فرسٹ آئی۔ ورنہ نہیں آتی۔''

چندا نے پوچھا۔

''راہُل کون؟''

منّی نے کہا۔

''راہُل بھیا۔''

اندو کہا۔

''وہ جس کے بارے میں بتایا تھا۔''

''اچھا ہوا بچّے گھل مل گئے۔''

یہ سُن کر اندو نے تعجب سے چندا کی طرف دیکھا۔ پہلے تو خود بھگانے کو کہا اور اب...

63...

ڈی۔ کے۔ اپنے آفس میں سیکریٹری سے کسی فائل کے بارے میں پوچھا

رہا تھا۔ وہیں رائل بھی کھڑا سب سُن رہا تھا اور دیکھ رہا تھا۔

"میرے پرسنل کاغذ ہیں۔ پرسنل کاغذ ہیں رائل کے۔ نینی تال کے سارے پیپر۔ وہ کہاں ہیں؟... وہ سب ایک پرسنل فائل میں رکھنا تھا۔ آپ سے کہا تھا۔ وہ سب نینی تال بھیجنا ہے، رائل کے ساتھ... اُس دراز میں دیکھئے... آخری والا۔"

ڈی۔ کے۔ خود بھی دوسری طرف ڈھونڈنے لگا۔

"سر یہی پیپر ہیں؟..."

"یہی ہیں۔ اِس کو فائل میں رکھنا چاہیے تھا۔"

"سوری سر۔"

"رائل بیٹے یہ تمہارے کاغذ ہیں۔ اِنہیں تمہیں اپنے ساتھ لے جانا ہوگا۔ سنبھال لو۔"

"ٹھیک ہے انکل۔"

"جاؤ میرے کیبن میں بیٹھو۔ میں آتا ہوں۔"

رائل سامنے کے کیبن میں چلا گیا۔ اندر آ کر وہ ایک کُرسی پر بیٹھ گیا۔ سیکریٹری بھی وہیں آئی اور ایک لفافہ دیتے ہوئے بولی۔

"بیٹے یہ چٹھی اُن کاغذوں میں سے گر گئی ہوگی، اُن میں رکھ دو۔"

"کس کی ہے؟"

سیکریٹری نے چٹھی پر لکھا پتہ پڑھا۔

"مسٹر ملہوترا۔ فرام مسٹر گرودیال سنگھ، نینی تال۔"

یہ سُن کر رائل بول پڑا۔

"مجھے دے دو۔"

رائل نے لفافہ دیکھا اور اندر سے چٹھی نکالی اور پڑھنے لگا

64...

ڈی۔کے۔ کے باس مسٹر دھون اپنے کیبن میں کسی سے فون پر بات کر رہے تھے۔

''اوہ، آئی سی۔ اچھا... اچھا...''

ڈی۔کے۔ نے کیبن میں جھانکا۔ دھون نے اُسے اندر آنے کا اِشارہ کیا۔ فون پر وہ بنسل صاحب سے بات کر رہے تھے۔

''وہ تو معلوم تھا... آپ کو ضرور پسند آئے گی۔ ٹھیک ہے... ہاں... ہاں... میں دو چار دن بعد فون کر لوں گا۔ تھینک یو۔''

فون رکھ کر وہ ڈی۔کے۔ سے بولے۔

''ڈی۔کے۔ لگتا ہے بنسل صاحب کو تمہارا پزل بہت پسند آیا۔''

ڈی۔کے۔ اور دھون صاحب بات کرتے ہوئے باہر نکلے۔ ڈی۔کے۔ نے اپنے کیبن میں بیٹھے رائل کو پکارا۔

''چلو... رائل۔ چلو... وہ پیپر لے لو۔''

رائل، ڈی۔کے۔ کی طرف ایک ٹک دیکھتا رہا۔ پھر اُٹھ کر اُس کی طرف آیا۔ دھون صاحب نے پوچھا۔

''یہ بچّہ کون ہے؟''

''یہ رائل ہے۔ نمستے کرو۔''

''نمستے۔''

رائل چپ چپ سا تھا۔ اُس چٹھی کو پڑھنے کے بعد۔ دھون صاحب نے کہا۔

''ہیلو مائی سن۔ کس کا بیٹا ہے؟''

کچھ رُک کر بولا۔

''میرے ایک... دوست کا سر۔''

یہ سُن کر رائل کی آنکھیں بھر آئیں۔

''کہاں جا رہا ہے؟''

''نینی تال سر۔''

رائل آنسوؤں سے بھری آنکھوں سے، ڈی۔ کے۔ کو دیکھے جا رہا تھا۔

...65

رات کے وقت، اندو اپنی بچّوں کے کمرے میں اُنہیں دیکھنے آئی تھی۔ اُن کے لحاف کو ٹھیک کیا۔ جب کمرے سے باہر آئی تو دیکھا مین گیٹ کھلا ہوا تھا۔ وہ گیٹ کے پاس آئی ایک سویٹر گرا پڑا تھا۔ اندو سویٹر دیکھ کر کچھ سوچ کر رائل کے کمرے میں آئی تو دیکھا کہ رائل کا بستر خالی تھا۔ باتھ رُوم میں دیکھا وہاں بھی نہیں تھا۔ پھر باہر لان میں آئی اور اِدھر اُدھر دیکھا، کہیں نہیں تھا۔ وہ دوڑ کر اپنے کمرے میں گئی اور ڈی۔ کے۔ کو اُٹھایا۔

''ڈی۔ کے۔... ڈی۔ کے۔ رائل گھر میں نہیں ہے۔''

''کیا...؟''

''ہاں!... میں نے سب جگہ ڈھونڈ لیا۔ گھر کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔''

ڈی۔ کے۔ اُٹھ کر اندو کے ساتھ گھر کے باہر آیا لان میں۔ اور آوازیں لگائیں۔

''رائل... رائل...''

اندو نے بھی پکارا۔

''رائل...''

گھر میں رنکی اُن کی آواز سُن کر اُٹھ بیٹھی اور ماں کو پکارنے لگی۔ ڈی۔ کے۔ اور اندو نے سارا گھر چھان مارا لیکن رائل کا کہیں پتہ نہیں تھا۔ اندو اور ڈی۔ کے۔ گیٹ کے پاس پریشان کھڑے تھے۔ اُوپر سے رنکی نے آواز دی۔

''ممی ...''

رنکی کو دیکھ کر ڈی۔ کے۔ نے اندو سے کہا۔

''تم بچوں کو گھر میں دیکھو۔ میں باہر دیکھ کر آتا ہوں۔''

ڈی۔ کے۔ تیزی سے گیٹ کے باہر نکل گیا، رائل کو دیکھتا۔ اندو اُوپر چلی آئی تو رنکی نے پوچھا۔

''ممی ... ممی رائل کو کیا ہو گیا؟''

''کچھ نہیں۔''

''پر پاپا رائل ... رائل کیوں بلا رہے تھے؟''

''کچھ نہیں۔''

اندو نے رنکی کو لے کر اُس کے کمرے میں آئی تو منٹی جو جاگ پڑی تھی۔ دونوں کو آتا دیکھ رونے لگی۔ اندو نے پیار سے چُپ کرایا۔

...66

ڈی۔ کے۔ سڑک پر تیزی سے بڑھتے، اِدھر اُدھر دیکھتا رائل کو آوازیں دیتا ہوا ڈھونڈ رہا تھا۔

''رائل ... رائل ...''

ایک بنگلے کے باہر چوکیدار سے ڈی۔ کے۔ نے پوچھا۔

''ایک بچہ دیکھا۔ گورے رنگ کا ہے؟''

''نہیں صاحب۔''

''نیلی آنکھیں تھی۔''

''نہیں صاحب۔''

ڈی۔ کے۔ دوسری طرف مڑ کر سڑک کی دوسری طرف چل دیا۔

''رائل... رائل...''

67...

ڈی۔ کے۔ گھر پہ لوٹ آیا۔ اندو نے دروازہ کھولا۔

''کچھ پتہ نہیں چلا۔ تم پولیس کو فون کرو۔ میں گاڑی نکالتا ہوں۔''

اندو فون کرنے لگی تو ڈی۔ کے۔ نے اُس کے ہاتھ سے فون لیا۔

''پہلے سوری کو فون کرتا ہوں۔... ہیلو سوری صاحب کو بلاؤ۔ مجھے معلوم ہے وہ سو رہے ہوں گے۔ اُٹھاؤ اُنہیں۔ سوری صاحب کو بلاؤ بہت ضروری کام ہے۔ میں ڈی۔ کے۔ بول رہا ہوں۔ (غصے میں) میں کہہ رہا ہوں نا، اُٹھاؤ اُس کو۔''

پھر اندو سے کہا۔

''اندو... فون لو... سوری صاحب سے کہنا تیار رہے میں اُن کے پاس پہنچ رہا ہوں۔''

اندو نے فون لیا۔ ڈی۔ کے۔ تیزی سے باہر نکل گیا۔

68...

ڈی۔ کے۔ گاڑی میں چلا جا رہا تھا۔ سوری صاحب کے بنگلے کے پاس پہنچا تو سوری صاحب تیار ہو کر کھڑے تھے۔

''کم آن سُوری... جلدی سے بیٹھو''

سُوری صاحب کار میں بیٹھ گئے۔ گاڑی تیزی سے آگے بڑھ گئی۔ دونوں سڑک کے دونوں طرف دیکھتے جا رہے تھے۔ ڈی۔ کے۔ کو کچھ دُوری پر ایک بچہ نظر آیا۔ ڈی۔ کے۔ گاڑی روک کر چلّاتا بھاگا۔

''رائل... رائل...''

آواز سُن کر بچہ بھی بھاگا۔

''رائل... کہاں بھاگے جا رہے ہو؟''

ڈی۔ کے۔ تیزی سے بھاگ کر اُسے جا لیا، لیکن وہ رائل نہیں تھا۔ بچے نے ڈر کر اپنا ہاتھ چھڑا یا اور بھاگ گیا۔ ڈی۔ کے۔ مایوس گاڑی کے پاس واپس آیا۔

''سُوری وہ نہیں ہے۔ کہاں مر گیا۔ کہاں چلا گیا۔''

سُوری نے ڈی۔ کے۔ کو سہارا دیا۔

''کام ڈاؤن، ڈی۔ کے۔ وہ بچہ نہیں تھا۔ چلو پولیس تھانے چلتے ہیں۔''

پھر گاڑی پولیس تھانے کی طرف چل دی۔

...69

گھر پہ اندو بچوں کے پاس بیٹھی تھی۔ بچیاں بھی ڈری گئی تھیں۔

...70

تھانے میں۔ ڈی۔ کے۔ اور سُوری صاحب بیٹھے ہوئے تھے۔ تھانیدار آرام سے فون پر کسی سے بات کر رہا تھا۔ ڈی۔ کے۔ کو غصّہ آ رہا تھا۔ تھانیدار نے فون رکھا تو کہا۔

"آپ ذرا جلدی کر سکتے ہیں؟"

تھانیدار نے رپورٹ لکھنا شروع کیا۔

"باپ کا نام؟"

ڈی۔ کے۔ نے غصے میں پوچھا۔

"باپ کا نام جان کر کیا کریں گے؟... بچّے کا نام ہے آپ کے پاس، اُس کا پورا نام ڈسکرپسن آپ کے پاس ہیں۔ اُسے ڈھونڈ کے، اُس کے باپ کا نام پُوچھو گے؟"

ڈی۔ کے۔ غصے میں تھا۔ تھانیدار نے سوال دوہرایا۔

"باپ کا نام؟"

سُوری بولنے لگا۔

"ڈی..."

ڈی۔ کے۔ نے سر جھٹکا کر کہا۔

"ڈی۔ کے۔ ملہوترا۔"

"ذرا زور سے بولیئے۔"

"ڈی۔ کے۔ ملہوترا، کیا آپ کو سنائی نہیں دیتا کیا؟"

سُوری نے سمجھایا۔

"چُپ یار چُپ۔"

71...

گھر کا فون بجا۔ اندو نے فون اُٹھایا۔ فون پر ڈی۔ کے۔ تھا۔

"ڈی۔ کے۔ کچھ معلوم ہوا؟ کہاں سے بول رہے ہو؟"

"یہاں پولیس سٹیشن کے پاس پٹرول پمپ ہے وہاں سے بول رہا ہوں۔

رپورٹ تو لکھا دی۔‘‘

بولتے ہوئے ڈی۔ کے۔ کی آواز بالکل دب گئی۔ گلا بھر آیا۔

’’کچھ پتہ نہیں چل رہا ہے۔ کیا ہو گیا اُس کو؟‘‘

ڈی۔ کے۔ رونے لگا۔ اندو نے سمجھایا۔

’’ڈی۔ کے۔... ڈی۔ کے۔... دیکھو ڈی۔ کے۔ تم گھر آ جاؤ۔ وہاں بیٹھے رہنے سے کیا ہوگا؟‘‘

ڈی۔ کے۔ نے فون رکھا۔ سوری صاحب اُس کے قریب آ گئے۔

’’کیا کہا؟‘‘

ڈی۔ کے۔ چُپ رہا۔

...72

سوری اور ڈی۔ کے۔ تھوڑی دیر بعد پھر پولیس سٹیشن پہنچے۔ سوری صاحب نے پوچھا۔

’’کچھ معلوم ہوا صاحب۔‘‘

’’جی نہیں۔ ابھی کوئی خبر نہیں۔‘‘

ڈی۔ کے۔ کُرسی پر بیٹھ گیا اور غُصّے میں پوچھا۔

’’آپ یہ بتائیے، آپ کا اتنا بڑا پولیس ڈیپارٹمنٹ کس کام کا ہے؟... ایک بچّے کو نہیں کھوج پا رہا ہے۔‘‘

سوری صاحب نے ڈی۔ کے۔ کو سنبھالا، اور تھانیدار سے بولا۔

’’سوری... تُو چل نا۔‘‘

ڈی۔ کے۔ کو کھینچ کر سوری صاحب گاڑی تک لے آئے۔

...73

ڈی۔کے۔کے گھر کی گھنٹی بجی۔اندو نے دروازہ کھولا تو دیکھا سامنے راہُل کھڑا تھا ایک پولیس والے کے ساتھ۔

''یہ لڑکا ہمیں ملا۔کیا یہ آپ کا ہے؟... یہ چٹھی اس کی جیب سے ملی۔ہمیں بتا ہی نہیں رہا تھا۔کہاں رہتا ہے؟... اس میں یہاں کا پتہ لکھا ہے۔''

راہُل سہما ہوا سا گھر میں داخل ہوا۔یہ چٹھی وہی تھی جسے راہُل نے پڑھا تھا اور گھر چھوڑ دیا تھا۔اُس چٹھی سے اُسے پتہ چل گیا تھا کہ ڈی۔کے۔اُس کے پتا تھے اور وہ اُسے اپنا نہیں رہے تھے۔اندو نے راہُل سے پوچھا۔

''کہاں گئے تھے؟''

راہُل چپ رہا۔اُس کے چہرے پر ایک درد کی سوچ اُتر رہی تھی۔

''میں پوچھ رہی ہوں... کہاں گئے تھے؟''

راہُل ابھی بھی چپ ہی رہا۔

''میں کچھ پوچھ رہی ہوں۔کہاں گئے تھے؟''

راہُل کچھ اور آگے بڑھ کر رُک گیا۔

''تمہیں شرم نہیں آتی،مہمان بن کر کسی کے گھر میں آئے ہو۔تمہارے لئے اتنا کچھ کر رہے ہیں۔''

راہُل چپ رہا۔جیسے اُسے کچھ سنائی نہیں دے رہا۔جیسے سب کچھ کھو چکا ہو۔اندو بولتی رہی۔

''بجائے اس کے کہ احسان مند ہو ایسی حرکت کرتے ہو تم۔اب میرے سامنے ایسے بت بن کر کھڑے ہونے سے کیا ہوگا؟....اتنا بھی نہیں کہ آ کے معافی مانگ لو۔سوری کہہ دو۔چلے جاؤ... چھٹکارا مل جائے گا سب کو۔جب سے آئے ہو

اِس گھر کا چین ختم ہو گیا ہے۔ تمہیں معلوم ہے رنگی اور منّی کتنا پریشان ہو رہے تھے۔ منّی کا تو رو رو کر بُرا حال ہو گیا تھا۔ اور میں تب سے اِس گھر میں چکّر کاٹ رہی ہوں... اگر تمہیں کچھ ہو جاتا تو ہم لوگ کہاں جاتے، کیا کرتے؟..."

رائل بس چُپ سا رہا اور سب سُنتا رہا۔

"آدھی رات میں کوئی اکیلے جاتا ہے اس شہر میں؟.... بچّوں کو اُٹھا کر لے جاتے ہیں لوگ۔ سارے شہر کی پولیس ڈھونڈ رہی ہے۔ اگر تمہیں کچھ ہو جاتا تو... تمہارے پاپا اور میں...... میرا مطلب ہے تمہارے انکل اور میں..."

رائل نے پہلی بار گھوم کر اندو کی آنکھوں میں دیکھا اور زُبان کھولی۔

"مجھے معلوم ہے۔"

"کیا معلوم ہے؟"

"کہ وہ میرے پاپا ہیں، چٹھی میں لکھا ہے۔"

رائل اتنا کہہ کر سٹڈی رُوم میں چلا گیا۔ اندو ایکدم چُپ رہ گئی۔ اور ہاتھ میں پکڑی چٹھی کو گھورنے لگی۔ اُس کا سارا غُصّہ سوچ میں ڈھل رہا تھا۔ کہ رائل کو سچّائی کا پتا چل گیا ہے۔ اس لئے اُس کا ایسا رویہ ہو رہا ہے۔

...74

رائل اپنے کمرے میں دیوار میں سر چھپائے روتا رہا۔ ڈی۔ کے۔ اور سُوری صاحب گھر آئے۔ اندو وہیں کھڑی تھی۔ رائل کی سسکی سُنائی دے رہی تھی۔ ڈی۔ کے۔ رائل کے کمرے کی طرف دیکھنے لگا۔

"رائل......"

ڈی۔ کے۔ بے اختیار اُس کی طرف بڑھنے لگا۔ اندو نے روکا۔

''رہنے دو۔ اُسے...''

ڈی۔ کے۔ رُک گیا۔ اندو کے قریب آیا تو اندو نے بتایا۔

''اُسے معلوم ہو گیا ہے۔ کہ تم اُس کے پاپا لگتے ہو۔''

''کیسے؟...''

''اُس کے پاس یہ چٹھی تھی۔''

اندو نے وہ چٹھی، ڈی۔ کے۔ کو دی۔ ڈی۔ کے۔ چٹھی لے کر سُوری کی طرف دیکھنے لگا۔

سُوری نے اِشارے سے اُسے رائل کے پاس جانے کو کہا۔ ڈی۔ کے۔ رائل کے کمرے میں گیا۔

''رائل... بیٹے... تم کب گھر آئے؟... مجھ سے ناراض ہو۔ میں نے اور سُوری انکل نے تمہیں بہت ڈھونڈا۔''

رائل نے مُڑ کر نہیں دیکھا اور کمرے کی دوسری طرف چلا گیا۔

ڈی۔ کے۔ مایوس سا ہال میں واپس آیا۔ جہاں سُوری صاحب اور اندو تھے۔ ڈی۔ کے۔ کا سر جھکا ہوا تھا۔ سُوری صاحب نے پوچھا۔

''کیا ہوا؟''

''کچھ بھی نہیں۔''

''کیا کہا؟''

''کچھ بولتا ہی نہیں۔ آئی کین انڈرسٹنڈ۔''

''ہاں ہم سمجھتے ہیں۔ جو بچہ اتنے سالوں سے اپنے باپ کے پاس پہنچنے کی کوشش کر رہا ہو۔ اور جب پہنچ جائے...''

ڈی۔ کے۔ سُنتا رہا۔ اندو کی بھی آنکھیں بھر آئیں۔ ہر کوئی اپنے آپ کو گناہ گار

سمجھ رہا تھا۔ اُس کے بچپن کو چھیننے کا۔ سوری آگے کہتا رہا۔

''اور باپ اُسے سیو کار ہی نہیں کر رہا ہو۔ اُسے الگ رکھ دے۔ اُسے کہیں دُور بھیج دے۔ ڈی۔ کے۔ سوچو۔ اُس بچے کے دل پر کیا گزرے گی؟''

اتنا کہہ کر سوری صاحب اپنے گھر کی طرف چلے گئے۔ ڈی۔ کے۔ نے اندو سے اُوپر اپنے کمرے میں چلنے کو کہا۔

''چلو۔''

''کہاں؟... میں تھوڑی دیر بعد آتی ہوں۔''

''سنو... صبح تم بچوں کو ٹیکسی میں سکول چھوڑ آنا۔ میں راہُل کو سٹیشن لے جاؤں گا۔''

ڈی۔ کے۔ اُوپر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ اندو وہیں بیٹھی سوچتی رہی۔ اور پھر وہی گیت کے بول یاد آنے لگے۔

زندگی تیرے غم نے ہمیں، رشتے نئے سمجھائے
ملے جو ہمیں دھوپ میں ملے، چھاؤں کے ٹھنڈے سائے
تجھ سے ناراض نہیں زندگی حیران ہوں میں.........

اندو راہُل کے کمرے میں آئی۔ راہُل اپنے بستر پر لیٹا ہوا تھا۔ اُس نے لحاف راہُل پر اوڑھایا، اندو کی آنکھوں میں آنسو بھر گئے تھے۔ راہُل نے دھیرے سے آنکھیں کھولیں۔

''سوری... آنٹی...''

اندو یہ سُن کر برداشت نہیں کر پائی، اور کمرے سے بھاگتی ہوئی نکلی اور سیڑھیوں پر بیٹھ کر رونے لگی۔

75...

صبح رنگی اور منّی سکول جا رہی تھیں۔ اندو انہیں ٹیکسی سے چھوڑنے جا رہی تھی۔ رائل نکل کر اُن کے پاس آیا۔ دونوں بہنوں کو معلوم تھا۔ رائل ننی تال جا رہا ہے۔ رنگی نے کہا۔

''بائے، بائے رائل۔''

''بائے۔ بائے۔''

منّی رائل کے پاس آ کر اُس کے دونوں ہاتھوں کو تھام لیا۔ رنگی نے آواز دی۔

''چلو منّی۔ چلو منّی دیر ہو رہی ہے۔''

منّی رائل کا ہاتھ نہیں چھوڑ رہی تھی۔ رنگی اُن کے پاس آئی اور ہاتھ چھڑوا کر لے گئی۔ ٹیکسی میں دونوں بیٹھیں۔ اندو بھی رائل کو دیکھ رہی تھی۔ ٹیکسی چل پڑی۔ رائل ٹیکسی کے پیچھے تھوڑا سا بھاگا پھر رُک گیا۔

ٹیکسی میں بچیاں اور اندو خود بھی بہت اُداس تھیں۔ رنگی نے ماں سے پوچھا۔

''ممی رائل، کیوں بھاگ گیا تھا؟''

''پتہ نہیں۔''

''اب... اب وہ واپس نہیں آئے گا ممی؟''

''پتہ نہیں۔''

''وہ اُدھر جا کر، کس کے پاس رہے گا۔''

''اپنے پاپا کے پاس۔''

''لیکن اُس کے تو پاپا ہے ہی نہیں۔''

اندو چونک کر رنگی کی طرف دیکھنے لگی۔ منّی کہنے لگی۔

''ہاں... ہاں... اُنہوں نے اپنے پاپا کی تصویر بنا کر دکھایا تھا۔''

منّی نے اپنے بیگ سے ایک کاپی نکالی۔ رنگی بولی۔

''ارے یہ تو رائل کی سکیچ بک ہے۔''

''ہاں... اُنہوں نے مجھے دی ہے۔''

اور منّی نے تصویریں دکھاتے ہوئے بتایا۔

''یہ ممی۔ یہ پاپا۔ یہ تم، یہ میں اور یہ رائل بھیّا۔''

اندو بھی تصویریں دیکھنے لگی۔ ایک تصویر میں رائل کی تصویر بننے کے بعد کاٹی گئی تھی۔ اندو نے پوچھا۔

''منّی تم نے رائل کی فوٹو کاٹی۔''

''نہیں۔''

اندو سوچ میں پڑ گئی۔

...76

ڈی۔ کے۔ اپنی کار سے رائل کو ریلوے سٹیشن لے جا رہا تھا۔ جہاں تیواری جی آنے والے تھے، رائل کو لینے۔ ڈی۔ کے۔ بالکل خاموشی سے ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ بغل میں رائل بھی خاموش تھا۔

...77

اندو ٹیکسی سے واپس گھر آئی اور تیزی سے گھر میں داخل ہوئی اور نوکر کو آواز دی۔

''عبدُل... صاحب کہاں ہیں؟''

''وہ تو رائل بابا کو لے کر دلّی ریلوے سٹیشن چلے گئے۔''

78...

دلی سٹیشن کا ایک نمبر پلیٹ فارم ، بھیڑ سے بھرا ہوا۔ تیواری جی تیزی سے مین گیٹ کی طرف جا رہے تھے۔ ڈی۔ کے۔ سامنے سے آ رہا تھا۔ اُس نے اُنہیں آواز دی۔

''ارے تیواری جی۔''

''جی... ڈی۔ کے۔ صاحب۔''

''کیسے ہیں؟''

''ٹھیک۔ ارے رائل بیٹے کیسے ہو؟... چلیئے ٹرین کا ٹائم ہو گیا ہے۔''

''چلیئے۔''

تیواری جی نے رائل کا سُٹ کیس لے کر اُس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ تینوں ٹرین کی طرف جانے لگے۔ ٹرین میں ڈبہ تک پہنچ کر تیواری جی اندر چلے گئے اور سامان اپنی سیٹ پر رکھا۔ رائل باہر ہی کھڑا رہا جیسے جانا ہی نہیں چاہتا۔ تیواری جی بھی آ گئے اور کہا۔

''چلو بیٹے رائل۔ ٹرین کا ٹائم ہو گیا۔''

رائل چلنے لگا کہ کچھ سوچ کر ڈی۔ کے۔ کی طرف مُڑا اور پوچھا۔

''آپ مجھے ملنے آئیں گے؟''

''ہاں.... بیٹے ضرور آئیں گے۔''

ڈی۔ کے۔ کے چہرے پہ ایک درد لہرا گیا۔

''آپ پھر سے مجھے بھول تو نہیں جائیں گے؟''

''نہیں۔ بیٹے۔ کبھی نہیں۔ اب نہیں۔ تم تو نہیں بھولو گے ہمیں؟''

''آپ کو میں کیسے بھول سکتا ہوں۔ آپ تو میرے پاپا ہیں نا۔''

''ہاں۔ہاں بیٹا میں آپ کا پاپا ہوں۔میں کا پاپا ہوں۔''

رائل یہ سُن کر ڈی۔کے۔کے گلے لگ کر رونے لگا۔ ڈی۔کے۔بھی رونے لگا۔تیواری جی نے کہا۔

''آؤ بیٹے۔ٹرین کا ٹائم ہوگیا ہے۔''

ڈی۔کے۔نے رائل کو گود میں لے لیا اور ٹرین کے ڈبے کی طرف بڑھنے لگا۔تیواری جی سے پوچھا۔

''کھانے کا انتظام کر دیا تا؟''

''ہاں۔''

''اور پانی...؟''

''وہ بھی رکھ لیا۔''

''اسے باہر کا پانی مت دیجئے گا۔وہ بوتل کا گرم پانی ہے۔ بیٹے وہ بوتل ہے؟''

''وہ تو گاڑی میں چھوٹ گئی۔''

تیواری جی نے کہا۔

''صاحب گاڑی چھٹنے کا ٹائم ہوگیا۔''

''میں ابھی لے کر آتا ہوں۔''

رائل کو گاڑی میں بٹھا کر ڈی۔کے۔دوڑا اپنی کار کی طرف۔تیواری نے کہا۔

''ڈی۔کے۔صاحب۔ٹرین کا وقت ہوگیا۔

لیکن ڈی۔کے۔رُکا نہیں۔تیواری جی اور رائل اُسے دیکھتے رہے۔

...79

ڈی۔ کے۔ جیسے ہی پلیٹ فارم کے باہر نکلنے لگا۔ ایک ٹی۔ سی۔ نے اُسے روک کر ٹکٹ مانگا۔ ڈی۔ کے۔ اپنی جیب میں تلاشنے لگا۔

''ٹی۔ سی۔ صاحب۔ مجھے ایک منٹ میں باہر سے کچھ لانا ہے۔''

''ٹکٹ۔''

''میرا بچہ گاڑی میں بیٹھا ہے۔ اُس کی واٹر بوتل لانی ہے۔''

''آپ یہاں کھڑے ہو جائیے۔''

''میں آپ سے کہہ رہا ہوں، ٹکٹ ہے میرے پاس۔''

''میں جو کہہ رہا ہوں۔ آپ ادھر کھڑے ہو جائیے۔''

ڈی۔ کے۔ نے اپنا پرس دیکھا۔ اُس میں بھی ٹکٹ نہیں ملا۔

...80

ڈی۔ کے۔ اپنی کار کے پاس پہنچا۔ اُس کی کار کے بغل میں دوسری کار کھڑی تھی۔ جس کی وجہ سے ڈی۔ کے۔ اپنی کار کا دروازہ نہیں کھول پا رہا تھا۔ ایک آدمی جو پہلے سے کھڑا تھا بولا۔

''وہ آدمی کی گاڑی ہے۔''

''اوہ... بھائی...''

ڈی۔ کے۔ گھبراہٹ میں کچھ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ اُس کار کا آدمی پاس آیا۔ ڈی۔ کے۔ نے کہا۔

''اپنی گاڑی ہٹائیے۔ ایسے لگا رکھا ہے۔ دوسرا آدمی دروازہ بھی نہیں کھول سکتا۔ ہٹائیے۔''

''ہاں... ہاں... ابھی نکالتا ہوں۔''

''یہاں میری گاڑی چھوٹ رہی ہے۔''

اُس آدمی نے اپنی گاڑی بتائی۔ ڈی۔ کے۔ تیزی سے کار کا دروازہ کھول پانی کی بوتل لے کر بھاگا، سٹیشن کے اندر۔ ڈی۔ کے۔ پلیٹ فارم پر پہنچا تو گاڑی چھوٹ چکی تھی اور بہت پلیٹ فارم چھوڑ چکی تھی۔ پلیٹ فارم کو چھوڑتی گاڑی آگے جا رہی تھی اور ڈی۔ کے۔ اپنے ہاتھ میں پکڑی، پانی کی بوتل لے کر دیکھتا رہ گیا۔

...81

سٹیشن سے باہر ڈھیلے قدموں سے ڈی۔ کے۔ اپنی کار کی طرف آیا تو چونک گیا۔ کار کی پچھلی سیٹ پر راہل کے ساتھ رنگی اور منی بیٹھے تھے۔ آگے اندو۔ رنگی نے خوشی سے کہا۔

''پاپا۔ راہل اب ہمارے ساتھ ہی رہے گا۔''

بچوں کے چہرے پہ خوشی دوڑ رہی تھی۔ منی نے جھٹ کہا۔

''ممی نے کہا ہے۔''

بچوں کو اس طرح خوش ہوتے دیکھتے ہوئے ڈی۔ کے۔ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا اور اندو کو دیکھنے لگا۔ اندو نے بھی اُسے دیکھا۔ ڈی۔ کے۔ ایسے ہی دیکھتا رہا تو اندو نے ٹوکا۔

''یہیں بیٹھے رہو گے۔ یا گھر بھی چلو گے؟''

بچے پیچھے کھیلنے لگے۔ اُن کا شور آج دونوں کو بہت اچھا لگ رہا تھا۔ ڈی۔ کے۔ نے گاڑی گھر کی طرف چلا دی۔

****

معصوم

شبانہ اعظمی : اندو

نصیرالدین شاہ : ڈی۔کے۔

سُپریا پاٹھک : بھاؤنا

تنوجہ : چندا

سعید جعفری : سُوری صاحب

جے راج : ماسٹر جی

ستیش کوشِک : ہری تیواری

اُرمیلا : رنکی

آرادھنا : منّی

جُگل ہنس راج : راہُل

پروڈیوسر : دیوی دت، چنداوت

میوزک : آر۔ڈی۔برمن

ڈائریکٹر : شیکھر کپور

اسکرین پلے، ڈائیلاگ اور گیت کار

گُلزار

منظر نامہ

اِنتساب

جیا بھادُڑی

جو

اَب

جیا بچّن ہیں

گلزار

دیباچہ

جو نظر آتا ہے اُس کو منظر کہتے ہیں اور مناظر میں کہی گئی کہانی کا نام منظر نامہ ہے۔ انگریزی میں اس کے لئے دو الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ ایک سکرین پلے ہے، دُوسرا سینیریو (Screenplay and scenerio) دونوں تقریباً ایک سے ہیں لیکن سکرین پلے میں 'ڈزولو' اور 'کٹ' اور دُوسری تکنیکی ہدایات بھی لکھ دی جاتی ہیں، جو ڈائریکٹر کی مدد کرتی ہیں۔ اُس میں 'سیٹ' یعنی 'محلِ وقوع' اور منظر کا وقت بھی درج کیا جاتا ہے۔ (یعنی منظر نامہ صبح، شام، رات یا دوپہر، کس وقت کا ہے)۔ یہ تفصیلات ڈائریکٹر کے لئے تبھی ضروری ہوتی ہیں، جب وہ سکرین پلے کو فلماتا ہے، ورنہ یہ تکنیکی ہدایات پڑھنے میں رُکاوٹ پیدا کرتی ہیں۔ اس لئے عام قاری کے پڑھنے کے لئے سینیریو ہی زیادہ موزوں ہے، تاکہ وہ اُسے ایک ناول کی صُورت بنا کسی رُکاوٹ کے پڑھ سکے۔ اُسی کا نام منظر نامہ ہے۔

ادب میں منظر نامہ ایک مکمل فارم بھی ہے۔ جس کی پہلی مثال جو میری نظر سے گذری، وہ ڈی سیکا کا منظر نامہ 'امریکہ۔ امریکہ' تھا۔ اُس ڈائریکٹر نے وہ منظر نامہ پہلے لکھا، شائع کیا اور بعد میں اُس پر فلم بنائی۔ ادب میں بہُت سے مُصنف ہیں جو اپنے ناول بھی تقریباً منظر نامہ کی شکل میں لکھتے ہیں۔ شرت چندر کے بیشتر ناول اس فارم کے بہُت قریب ہیں۔

یہ منظر نامے پیش کرنے کا ایک مقصد قاری کو اس فارم سے متعارف کرنا بھی ہے اور دوسرے یہ کہ ٹی وی اور سنیما سے دلچسپی رکھنے والے شائقین یہ دیکھ سکیں کہ ناول کو کس طرح منظر نامہ کی شکل دی جاتی ہے۔ میرے لئے یہ اعتراف کرنا ضروری ہے کہ میں منظر کشی پر کسی مہارت کا دعویدار نہیں ــــــ کوئی دوسرا ڈائریکٹر یا مصنف ہو سکتا ہے اسی ناول پر مجھ سے بہتر منظر نامہ تخلیق کرلے۔

منظر نامے کا انداز بیان عموماً اوریجنل کہانی سے الگ ہو جاتا ہے اس لئے وہ اصل کہانی یا ناول یا سوانح عمری کا نیا Interpretation بن جاتا ہے جس کی مثال چند مشہور فلموں سے دی جاسکتی ہے۔ جیسے فلم انارکلی اور مغل اعظم ایک ہی ڈرامے سے ماخوذ کئے گئے ہیں۔ "دیوداس" جتنی بار بنی، اور کئی زبانوں میں بنی، اس کا منظر نامہ بدلتا رہا۔ ٹی وی کی آمد سے، منظر ناموں کی ضرورت میں بہت اضافہ ہو گیا ہے۔ چھوٹے چھوٹے افسانوں کے منظر نامے بھی لکھے جانے لگے ہیں۔ جناب احمد ندیم قاسمی، راجندر سنگھ بیدی، بھیشم ساہنی، منشی پریم چند اور دوسرے بے شمار ادیبوں کے افسانوں پر کام ہو رہا ہے۔ بہت سے سیریل، سیدھے منظر ناموں میں لکھے جاتے ہیں۔ ٹی وی کی فلموں کے لئے کیونکہ وقت کی پابندی (طوالت، Duration) کا لحاظ رکھنا پڑتا ہے، اس لئے منظر ناموں کے لئے اکثر ادب سے لئے گئے مشہور افسانوں کو کبھی مختصر کرنا پڑتا ہے، کبھی پھیلاؤ دینا پڑتا ہے۔

مجھے امید ہے کہ میری یہ کوشش دوسروں کے لئے کارآمد ثابت ہوگی اور دوسروں کے تجربوں سے مجھے فائدہ ہوگا ــــــ کوئی نئی راہ کھلے گی، کوئی نئی بات پیدا ہوگی۔

گلزار

پرتیچے

ایک زمانہ تھا بنگلور گل مُہر کا شہر کہلاتا تھا۔ سڑک کے دو کناروں پر کئی رنگوں کے گل مہر نظر آجاتے تھے۔ اُن میں جامنی رنگ کا ایک پیڑ، اشوکا ہوٹل کے سامنے لگا ہوا بہت خوبصورت لگتا تھا۔ آج بھی ہے ___ بس ڈھونڈ ڈھانڈ کے، پتہ لگوا کر ایک نرسری سے اُس کی قلم مل گئی ___ بمبئی میں آکر لگوادی ___ اپنے گھر پہ۔ پیڑ آیا تو پھول کا رنگ بدل گیا۔ نہ سُرخ نہ جامنی۔ کچھ کچھ مہوا رنگ کا ہو گیا۔

انگور اور پرتیچے، دونوں کہانیوں کے ساتھ کچھ ایسا ہی ہوا۔ دونوں کی قلم بدیسی ہے۔ 'انگور' شیکسپیئر کی Comedy of Error سے انسپائرڈ ہوئی اور 'پرتیچے' Sound of Music سے انسپائرڈ ہوکر، بنگال کے رائٹر، راجکمار مترا نے "رونگین اُتریو" (رنگین اوڑھنی) کے نام سے "اُلٹو رتھ" کے پوجا انک میں چھپوائی تھی۔ اُس قلم کے رائٹ وہاں سے لئے۔

لیکن دونوں 'قلموں' سے نکلی شاخیں اُن کی جڑوں سے بالکل مختلف ہیں۔ ایک ساتھ دیکھیں تو اُن کے تجسیم اور کردار بالکل الگ ہیں۔ انگور میں Comedy of Error کی طرح دو جُڑواں مالک اور دو جُڑواں نوکر، شیکسپیئر کی

زمین ہے۔ اور یہ زمین بہت زرخیز تھی۔ اس پر کوئی بھی کہانی اُگ سکتی تھی ___ ایک بیل جو ہندوستانی ماحول میں لگی اُس کا نام انگور رکھا۔

''پریچے'' کی شاخ ذرا سی الگ نکلی۔ اُس کا کہانی، ماحول اور کردار بالکل ہی Sound of Music سے الگ ہیں۔ سوائے اس کے کہ کچھ بچے ماسٹروں کو بھگانے کی ترکیبیں نکالتے رہتے ہیں اور دوسرے یہ کہ ''سرگم'' پر آدھارت، ایک گانا، ''قاعدے'' کی طرح دونوں جگہ، ماسٹر بچوں کو سکھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگرچہ اُن کے رشتے اور وجوہات دونوں جگہ بالکل ہی مختلف ہیں۔ پھر بھی انسپریشن کی جڑ پتہ چلتی ہے۔ جیسے انگور میں جڑواں مالک اور نوکر تھے ___ یہاں ٹیچر اور بچے ہیں۔ دونوں میں کہانی کا رس وہیں سے آتا ہے!

گلزار

ایک دفعہ کا ذکر ہے، ایک کرنل صاحب تھے۔ جی ہاں یہی ہیں وہ کرنل صاحب۔ لیکن، وہ گئے گذرے زمانے کی بات ہے۔ جب ہندوستان میں انگریزوں کی حکومت تھی، انگریز چلے گئے، کرنل صاحب نے فوج چھوڑ دی۔ لیکن فوج داری نہیں چھوڑی، لوگ اب انہیں رائے صاحب کہہ کے بلاتے ہیں۔ رائے صاحب اے۔ پی لارڈ۔ ایک بہت بڑی حویلی میں رہتے ہیں، اپنی بہن تی دیوی کے ساتھ۔ رائے صاحب کا ایک لڑکا تھا۔ نیلیش! ضدی تو تھا باپ ہی کی طرح۔ لیکن شوق بالکل اُن سے الگ تھے۔ وہ سنگیت کار بننا چاہتا تھا۔ اور رائے صاحب یہ نہیں چاہتے تھے۔ اُس نے اپنی مرضی سے شادی کر لی۔ سُجاتا سے، وہی ہوا جو ہوتا آیا ہے۔ نیلیش اور سُجاتا بڑی غریبی کی حالت میں، زندگی سے لڑتے لڑتے ہار گئے۔ دونوں گذر گئے۔ رما، اجے، وجے، نیتا اور سنجو سترہ سال بعد رائے صاحب نیلیش کے بچوں کو لے کر اپنی حویلی میں لوٹے اور لکھانے پڑھانے کی کوشش کی، لیکن یہ بچے بھی اپنے چا اور دادا کی طرح ضدی نکلے، کتنے ہی ماسٹر رکھے گئے لیکن انہوں نے کسی کو ٹکنے نہیں دیا۔ کوئی مہینہ کوئی ہفتہ، کوئی دس دن میں ہی تنگ آ کر چھوڑ گیا۔ ایک ماسٹر جی ابھی پڑھا رہے ہیں اور کوئی... نہیں۔ نہیں... ابھی تک پڑھاتے ہیں۔ ان بچوں کو!

1...

حویلی ہی کے ایک کمرے کو ڈیسک ،ٹیبل لگا کر کلاس روم کی شکل دی گئی تھی۔ ماسٹر صاحب ہاتھ میں چھڑی لئے اپنی کُرسی پہ بیٹھے تھے اور رائے صاحب کے پوتوں کو پڑھا رہے تھے۔

''سائلینس ،سائلینس۔''

اجنے بول پڑا۔

''سائلینس تو ہے۔''

''خاموش۔''

''خاموش تو ہیں۔آپ ہی تو بول رہے ہیں۔''

''چُپ... پھر ،بولا؟ پھر بولا؟''

ماسٹر جی چھڑی لئے اجنے کے پاس آئے اور بولے۔

''کھڑے ہو جاؤ... کھڑے ہو جاؤ۔''

''میں نے کیا کیا، جو آپ مار رہے ہیں؟''

اجنے دوسرے بچوں میں سب سے بڑا تھا۔ چھوٹے سارے ڈر گئے۔

''ابھی تو تم نے کچھ کیا نہیں بیٹا' تب یہ حال ہے۔سوچو اگر کچھ کرو گے تو ہم کیا کر دیں گے۔ہم نے بہت تعریف سُنی ہے،تم لوگوں کی۔ایک ایک کو سیدھا نہ کر دیا تو کہنا۔''

لگتا تھا ماسٹر جی کو کافی ڈرایا، بھڑکایا جا چکا ہے۔ بچے سبھی آنکھوں سے ماسٹر جی کو دیکھ رہے تھے۔

''کھڑے ہو جاؤ۔''

''کھڑا تو ہوں۔''

''کُرسی پہ کھڑے ہو جاؤ۔''

اچھنے کُرسی پہ کھڑا ہو گیا۔ ماسٹر نے پاس پڑی کاپی اُٹھا کر دی۔

''جغرافیہ کا لیسن یاد کرو۔ جب تک میں چھوٹو کو لیسن یاد کرواتا ہوں۔''

ماسٹر جی پلٹے اور بلیک بورڈ کے پاس گئے۔ جس پر لکھا تھا جے فور جگ۔ ماسٹر جی نے پڑھانا شروع کیا۔

''جے فور جگ، کے فور....''

سب سے چھوٹا منجو اُٹھا اور کہنے لگا۔

''... کرنا ہے۔''

''کیا...؟''

''کرنا ہے۔''

''کیا کرنا ہے؟''

''کرنا ہے۔''

''اُفوہ... کیا کرنا ہے۔''

پوچھتے پوچھتے منجو کے قریب جا کر پوچھا۔

''کیا کرنا ہے؟''

''کرنا ہے... کر دیا۔''

''کیا کر لیا؟''

بچے نے پینٹ کی طرف اشارہ کیا، اُس نے پینٹ میں ہی پیشاب کر دیا تھا۔

2...

رات کے وقت، ماسٹر جی اپنے کمرے میں سو رہے تھے۔ اُن کے خراٹوں

کی آواز زور زور سے آرہی تھی۔ کمرے کی کھڑکی اپنے آپ ہل رہی تھی۔ اچانک ہوا سے کمرے کے دروازے آپس میں ٹکرائے۔ ماسٹر جی گھبرا کر اُٹھ بیٹھے۔ دروازے کی طرف دیکھا، پھر پاس ٹیبل پر رکھے گلاس کو اُٹھایا اور پانی پیا۔ گلاس رکھتے وقت نیچے گر پڑا اور ٹوٹنے کی آواز ہوئی۔ کچھ گھبرا گئے ماسٹر جی لیکن پھر کچھ سوچ کر لیٹنے لگے کہ پھر کسی کے ہنسنے کی آواز آئی۔ ماسٹر جی نے گھبرا کر کھڑکی طرف دیکھا تو ایک بھوت سفید چادر اوڑھے نظر آیا۔ گھبرا کر ماسٹر جی اُٹھ بیٹھے دیکھا سامنے زمین پر ایک جلی ہوئی موم بتی چلتی چلی آرہی تھی۔ مارے گھبراہٹ کے ماسٹر جی پلنگ سے کُود کر کمرے سے بھاگے۔ چلّاتے ہوئے نیچے ہال میں پہنچے۔

''بھوت، بھوت، بھوت...''

اُن کی آواز سُن کر گھر کا نوکر نارائن آیا۔

''کیا ہوا...؟ ماسٹر جی...''

''بھوت، بھوت...''

بچّے اپنے کمرے میں بیٹھے مُسکرا رہے تھے۔ یہ سب اُن لوگوں کی شرارت تھی۔ آواز سُن کر رائے صاحب بھی جاگ پڑے۔ وہ کمرے سے نکلے۔ اُن کی بہن ستی دیوی بھی اپنے کمرے میں جاگ گئی تھی۔

نارائن رائے صاحب کے پاس پہنچا تو اُنھوں نے پوچھا۔

''کیا ہوا ماسٹر صاحب کو؟''

''پتا نہیں رائے صاحب، وہ تو بھوت، بھوت کر کے بھاگ گئے۔''

اُسی وقت اُن کے قریب سے ایک کچھوا چلتا ہوا جا رہا تھا، جس کی پیٹھ پر موم بتی جل رہی تھی۔ تب تک ستی بھی وہاں پہنچ گئی تھیں۔ یہ دیکھ کر بھائی سے کہا۔

''یہ دیکھئے بھیا۔''

''کس نے کیا ہے یہ...؟ کس کی شرارت ہے؟''

نارائن چپ رہا ستی بول پڑی۔

''اور کس کی ہو سکتی ہے، وہی جنھیں سکھانے سمجھانے کے لئے روز ماسٹر رکھے جاتے ہیں۔ کوئی پہلی بار ہے بھیا؟''

''چلو.... سب کو بلواؤ باہر۔''

...3

بچے اپنے کمرے میں یہ سب سُن رہے تھے۔ بلانے کا سُن کر سب چادر اوڑھ کر سو گئے۔ نارائن کمرے میں پہنچا، بتی جلائی اور سب کو اُٹھانے لگا نام لے لے کر۔

''اجے، وجے، نیتا، سنجو۔ ارے زیادہ ڈھونگ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ چلو حضور صاحب بلا رہے ہیں۔ نہیں اُٹھتے.... ایسے نہیں اُٹھتے چلو.... اُٹھ جاؤ سب لوگ۔''

نارائن نے سب کی چادریں کھینچ لیں۔ تبھی بچے آنکھ ملتے ملتے اُٹھے۔ نارائن دوسرے پلنگ کے پاس گیا جہاں رما سو رہی تھی۔ جوان سب سے بڑی تھی۔ سمجھدار تھی۔ نارائن نے آواز دی۔

''دیدی.... دیدی.... حضور صاحب آپ کو باہر بلا رہے ہیں۔''

رما جاگ گئی۔ اور نارائن کو دیکھنے لگی۔ نارائن چلا گیا۔

...4

باہر رائے صاحب اور اُن کی بہن ستی دیوی آپس میں بات کر رہے تھے۔

''میری سمجھ میں نہیں آتا۔ آپ کیوں ان کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں؟...

آپ بھی تو کچھ کم ضدی نہیں ہیں۔ نہیں پڑھتے نہ پڑھیں آپ کی بلا سے۔ آپ جائیے سو جائیے بھیا۔ اُن کی خبر تو میں لیتی ہوں۔''

رائے صاحب اپنے بیڈ روم کی طرف چلے گئے۔ ستی دیوی وہیں کھڑی اُن کا انتظار کرنے لگی۔ بچے ایک ایک کر کے کمرے سے نکلنے لگے۔

''جلدی جلدی آؤ... کھڑے ہو جاؤ۔ رما کہاں ہے؟''

بچے اُن کے سامنے لائن سے کھڑے ہو گئے۔ رما بھی اُن کے پیچھے آ گئی۔

''چلو ادھر آؤ تم بھی۔ اصل کپتان تو تم ہی ہو... تمہاری مرضی کے بغیر، تھوڑے ہی ہوتا ہے کچھ۔''

رما اپنے بھائیوں کے ساتھ چُپ چاپ کھڑی رہی۔

''سچ سچ بتاؤ، یہ حرکت کس نے کی ہے؟... کس نے کچھوے کی پیٹھ پر موم بتی جلائی؟''

یہ سُن کر بچے ہنس پڑے... کچھوا اپنی چال میں ابھی تک وہاں سے گذر رہا تھا۔ اُن کو ہنستا دیکھ کر ستی نے ڈانٹا۔

''شٹ اپ۔ صاف صاف جواب دو۔ یہ کس کی حرکت ہے؟... ورنہ ساری رات یہیں کھڑا رکھوں گی۔''

سارے بچے چُپ چاپ کھڑے مُنہ دیکھ رہے تھے۔ پاس ہی نارائن بھی چُپ سا کھڑا تھا۔

''نہیں بتاتے۔ ٹھیک ہے، تو کھڑے رہو اسی طرح... نارائن تم یہیں کھڑے رہو گے اور دیکھتے رہو، کوئی بیٹھنے کی کوشش نہ کرے۔''

''جی اچھا... ساری رات...؟''

''ہاں ساری رات، سب اسی طرح کھڑے رہیں گے۔''

''اور میں بھی...؟''

''ہاں تم بھی۔''

ستی دیوی اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ نارائن بچوں کے قریب آیا اور بولا۔

''بدمعاش فوج کی... اور مار پڑے ڈھول بجانے والے کو۔''

...5

ایک پنڈت جی رَوی کا ہاتھ دیکھ کر اس کی قسمت کے بارے میں بتا رہے تھے۔ پاس ہی میں رَوی کا دوست امیت بھی بیٹھا ہوا تھا۔

''منگل پر شنی کی چھایا ہے۔ اس لئے بُدھ کا لگن، کاریہ سدھ نہیں کرتا، پرنتو راہُو کے گھر میں برہسپت کا پرویش...''

رَوی بیچ میں ہی بول پڑا۔

''اوہو... بِنّے مہاراج۔ آپ نے تو پورا ہفتہ اُلٹا سیدھا کر دیا۔ منگل کے بعد شنی۔ شنی کے بعد بُدھ۔ آپ سیدھے سیدھے سوموار سے شروع کیجئے نا۔ جیسے سوم۔ منگل۔ بُدھ۔''

امیت نے بیچ میں ٹوکا۔

''ارے یار تو بھی مذاق چھوڑ۔ جو پنڈت جی کہتے ہیں سُن۔ پنڈت جی آپ بھی کمال کر رہے ہیں۔ سیدھی سادھی سرل ہندی میں بتائیے... آج بھی اسے نوکری ملے گی یا نہیں؟ ایسا لگتا ہے آپ ہاتھ نہیں کیلینڈر پڑھ رہے ہیں۔''

''دیکھو بالک جوتش شاستر کے ساتھ مسخری ہمیں بالکل بھلی نہیں لگتی۔''

اس درمیان رَوی اپنی سوچ میں ڈوب گیا۔ دل نے دُوہائی دی۔ اور من ہی من بولا۔

''پھنس گئے۔ یہ تو پورا شاستر سمجھا کے دم لے گا۔''

امیت نے ہلایا۔

''اے کیا سوچ رہا ہے؟''

''سیکنڈ ٹریک سُن رہا تھا۔''

''سیکنڈ ٹریک؟... وہ کیا ہوتا ہے؟...''

''نہیں معلوم؟''

''نہیں۔''

''یار جسے لوگ من کی آواز کہتے ہیں۔ جب چُپ ہو یا بول رہے ہو۔ اندر ایک آواز چلتی رہتی ہے نا۔ میں اُسے سیکنڈ ٹریک کہتا ہوں۔ لیکن فرق صرف اتنا ہے کہ میرا سیکنڈ مجھ سے بھی اُونچا بولتا ہے۔''

پنڈت جی پھر اپنے کام میں لگ گئے تھے۔ رَوی کی ریکھائیں پڑھ رہے تھے۔ امیت نے پوچھا۔

''تو آپ کا یہ سیکنڈ ٹریک کیا کہہ رہا ہے؟''

''کہہ رہا ہے کہ مجھے نوکری نہیں ملنے والی ہے۔''

''نہیں ملنے والی... کیوں؟''

''اس لئے کہ نہ پنڈت جی میرا ہاتھ چھوڑیں گے نہ میں انٹرویو کو جاؤں گا۔ نہ مجھے یہ نوکری ملے گی۔''

پنڈت جی بول پڑے۔

''نوکری تمہارے بھاگیہ میں نہیں بچے، تمہاری ہست ریکھا سیدھا بیوپاری

کی دِشا میں جاتی ہے۔ منگل سے بدھ ملنے کی سنبھاؤنا ہے، جب تمہارا لشکر، شنی کے پربھاؤ سے باہر آئے گا تب تمہیں بہت راج پاٹ ملے گا۔''

''مہاراج جی سب سمجھے، یہاں ڈیڑھ، دو سو کی نوکری نہیں ملتی۔ اور آپ راج پاٹ کی بات کر رہے ہیں۔ آپ امیت کا ہاتھ دیکھنے میں چلا۔''

یہ کہہ کر رزوی چلا گیا۔ امیت نے کہا۔

''آپ میرا ہاتھ دیکھئے۔''

6...

ایک مارواڑی بیوپاری اپنا بہی کھاتا لکھ رہا تھا اور سمجھا رہا تھا رزوی کو۔

''کیا ہے کہ منے انگریزی کوئی نہ آوے۔ ہیں جی...''

''ہاں جی۔''

''ہمیں ایسا آدمی چاہیئے، جو ہم بتادیں، وہ انگریزی میں لکھ دے۔''

''ہاں جی۔''

''پر جو ہم بتائیں وہی لکھے۔''

''ہاں جی۔''

''ہاں جی... جو بھائی پہلے سے ہمارے پاس کام کر رہے ہیں۔ وہ بہت پرانے ہیں۔''

''ہاں جی۔''

''... جی پر کیا ہے کہ وہ بُوڑھے ہو گئے ہیں۔''

''ہاں جی۔''

''ٹھیک سے دیکھ بھی نہ سکے۔ ایک ایک چٹھی کو۔ دس دس بار ٹائپ کرنا

پڑے۔"

"ہاں جی۔"

"ویسے کام۔ دو چار گھنٹے سے زیادہ کوئی نا، ہاں جی۔"

"ہاں جی۔"

"روز کے دس پانچ چھٹیاں لکھنی پڑے ہیں... اور مہینے میں سارے کے سارے بل ٹائپ کر کے بھیجنا پڑے۔ ہاں جی... سمجھ گئے۔"

"ہاں جی۔"

کچھ سوچ کر پرانے والے منیم جی کو بلایا۔

"ہیرا چند جی۔"

ایک بوڑھا آدمی اُن کے پاس آیا۔

"ہیرا چند جی... بابو جی کو لے جا کر سارا کام سمجھا دو۔"

"جی..."

"جاؤ جاؤ آپ اس کے ساتھ چلے جاؤ ہاں جی۔"

"ہاں جی..."

ہیرا چند کے ساتھ رَوی دوسرے کمرے میں گیا۔

7...

ہیرا چند رَوی کو اپنے ساتھ۔ دوسرے کمرے میں لے کر آئے، جہاں وہ بیٹھتے تھے۔

"بیٹھو..."

آنکھوں سے چشمہ اُتارتے ہوئے ہیرا چند بھی بیٹھ گئے۔ انہیں کی جگہ پر

روی کو نوکری مل رہی تھی۔ ہیرا چند جی نے بیڑی کا بنڈل لیا اور ایک بیڑی جلا کر اُس سے پوچھا۔

''بیڑی پیتے ہو؟''

''جی نہیں، شکریہ۔''

پھر سمجھانے لگے۔ ان کی آواز میں ایک درد تھا۔

''ہوں... روز کی جو چٹھیاں، جو آتی ہے۔ اس لیفٹ ٹرے میں رکھ دیتا ہوں۔ اور جن کے جواب نہیں دینے ہوتے ہیں۔ اسے رائٹ ٹرے میں رکھ دیتا ہوں۔ کچھ نہیں بس ذرا کام بسنا ئینگ ہو جاتا ہے۔ اور جن کے جواب دینے ہیں، ان کی فائل جو اُو پر رکھی ہے۔ ان میں لگا دینا۔ ہر سال کی الگ الگ فائل ہے۔ میں نے بہت سنبھال کے رکھی ہے۔ آپ کو کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوگی۔ اور یہ الماری ہے نا۔ یہ میں نے خود آرڈر دے کر بنوائی بہت خیال رکھا ہے ہمارا۔ انہوں نے...''

راُن کی باتیں سُنتے ہوئے اور اُنہیں دُکھی ہوتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

''آپ کب سے کام کر رہے ہیں؟''

''میں... پچھلے مہینے پورے بائیس برس ہو گئے۔ ویسے بھی کسی چیز کی ضرورت پڑتی ہے۔ فوراً سیٹھ جی سے مانگ لیتے ہیں۔ کبھی، نہ نہیں کہا سیٹھ جی نے۔ ہماری بیٹی کی شادی پہ، پانچ سو روپے دیئے تھے سیٹھ جی نے۔ لون نہیں... لون نہیں ویسے ہی دے دیئے تھے۔''

بتاتے بتاتے اُن کا گلا رُندگیا۔

''بہت دن نمک کھایا ہے سیٹھ جی کا۔ اب بوڑھے ہو گئے ہے نا، کام پورا کر نہیں پاتے بیٹا۔ نقصان بھی تو ہوتا ہے بیٹا، سیٹھ جی کا۔ ویسے ہم نے انہیں خود ہی کہہ

دیا تھا۔ سیٹھ جی نے ہمیں نکالا نہیں... نکالا نہیں سیٹھ جی نے۔''
کہتے کہتے آنسو آ گئے۔ رُومال نکال کر ہیرا چند نے آنسو پونچھا۔ یہ دیکھ کر روی بول پڑا۔
''میں... میرا چشمہ... میں ابھی آیا۔''
یہ کہہ کر روی کمرے سے باہر نکل گیا۔

8...

امیت اور روی بیٹھے ہیں... روی نے آج کی گھٹنا بتائی۔ امیت نے کہا۔
''اچھا کیا...؟ لیکن اس کا فائدہ کیا ہوگا۔ نوکری تو دونوں کے ہاتھ سے گئی نا۔ اور پھر وہ بوڑھا وہاں کہاں رہنے والا ہے۔ آج نہیں تو کل سیٹھ اُسے نکال ہی دینے والا ہے۔''
''نکال دے یار۔ جی نہیں مانا۔ میں چل آیا۔''
''ارے ہاں... تیرے ماما کے یہاں سے پوسٹ کارڈ آیا ہے۔''
''کب...؟''
''صبح۔''
''کیا لکھا ہے؟''
''پڑھ لے... کچھ مکان کے بارے میں ہے۔ اور کوئی نوکری...''
روی خط پڑھ چکا تو پھر امیت نے پوچھا۔
''کیا خیال ہے تیرا...؟''
''تیرا کیا خیال ہے؟''
''میرا خیال ہے روی... تو فی الحال یہ نوکری کر لے۔ رہی وہ، وہ... اس

نوکری کی بات۔ وہ تجھے چار پانچ مہینے میں مل ہی جائے گی۔ میں تو یہیں ہوں۔ تجھے خبر کر دوں گا۔ تو گاؤں جا رہا ہوں، وہاں کام بھی کر لینا۔ وہ تیرے مکان کا سلسلہ ہے اُس سے بھی نپٹ لینا۔''

''ہوں...''

''ایک لو لیٹر اور آیا ہے۔''

''وہ کیا...؟''

''نوٹس... دس دن میں کرایہ پہنچا دیجئے ورنہ یہ اوج خالی کر دیجئے۔''

دونوں کے بیچ ایک خاموشی۔ پھر کچھ سوچ کے رَوی زور سے بول پڑا۔ ماحول کا بوجھل پن دور کرنے کے لئے۔

''دھت... تیری سالا... یہ بھی کوئی زندگی ہے، میں جاتا ہوں گھر۔ وہاں سے پیسے بھجوا دوں گا، چلتے چلو بیٹا۔ کسی نہ کسی راستے سے کوئی راستہ نکل ہی آئے گا۔''

اور دونوں زور سے ہنسنے لگے۔

9...

رَوی گاؤں جا رہا تھا۔ وہ تانگے میں بیٹھا گا رہا تھا۔

مُسافر ہوں یارو... نہ گھر نہ ٹھکانہ۔

مجھے چلتے جانا ہے۔ بس چلتے جانا

مُسافر ہوں یارو...

ایک راہ رُک گئی، تو اور جُڑ گئی۔

میں مُڑا تو ساتھ ساتھ، راہ مُڑ گئی۔

ہوا کے پروں پر... میرا آشیانہ...

مُسافر ہوں یارو...
دن نے ہاتھ تھام کر، ادھر بٹھا دیا
رات نے اشارے سے، اُدھر بُلا لیا
صُبح سے شام سے، میرا دوستانہ
مُسافر ہوں یارو... نہ گھر ہے نہ ٹھکانہ۔
مجھے چلتے جانا ہے۔ بس چلتے جانا۔

10...

رُوی ماما می کے گھر آیا۔ جہاں اس کا بچپن گذرا تھا۔ ماما می اسے اپنے بیٹے کی طرح ہی مانتے تھے۔
رُوی گھر کے آنگن میں آیا تو ما می گائے کو چارہ کھلا رہی تھی۔ اور گائے سے کہہ کر رہی تھی۔
''لے کھا... جتنا کھائے گی نہیں۔ اُس سے زیادہ پھیلائے گی۔''
رُوی نے پیچھے سے آ کر ما می کی آنکھ ڈھک دی۔
''اے ما می جی۔ پائے لاگو۔''
''جگ جگ جیئو۔ ارے سُنتے ہو جی... ارے تُو نے موچھیں رکھ لیں۔ اب تُو بڑا بڑا لگ رہا ہے رے۔ ایک تو پہلے سے ہی اُونچا سُنتے تھے۔ اور میں جب بُلاتی ہوں... تو اور نخرا کرتے ہیں اور اُونچا سننے لگتے ہیں۔ اجی سُنتے ہو...''
آنگن میں رکھی پلنگ پہ رُوی ما می کے ساتھ جا بیٹھا۔ سامنے کمرے سے ماما جی نکل کر آئے۔ جو پنڈت ہیں۔
''ارے رُوی... تُو تو سچ مچ آ ہی گیا۔''

خوش ہو کر آنگن میں رُوی کے پاس چلے آئے۔

''پائے لاگو ماما جی...''

''جیتے رہو... بیٹھ....''

مامی نے پوچھا۔

''کیسے آ گیا رے تُو... نہ چٹھی نہ پتری۔''

''ماما جی نے تو چٹھی لکھی تھی...''

''مجھے کیا پتا... مجھے تھوڑے بتاتے ہیں۔''

''چٹھی لکھی تو تھی۔ لکھنے سے آ ہی جائے گا... مجھے کیا پتا تھا... چٹھی تو میں پہلے بھی کئی بار لکھ چکا ہوں۔''

''ماما جی... شہر میں نوکری کی مارا ماری سے فرصت ہی کہاں ملتی ہے۔''

''تُو نے لکھا تو تھا کہ کسی موٹر کے کارخانے میں کام کر رہا ہے۔''

''جی ہاں ماما جی... کمبخت ایسی ہڑتال پڑی کہ نوکری سے بھی گیا۔''

''یہ تو بُرا ہوا۔''

''اچھا میں آتی ہوں۔''

''ہڑتال پھڑتال سے کیا لینا تُمہیں، یہ راج نیتی کے چکر تو صرف دو قسم کے لوگوں کو راس آتے ہیں۔ ایک تو وہ، جن کے گھر کھانے پینے کی فکر نا ہو۔ اور دُوسرے وہ، جن کے گھر کھانے پینے کو کچھ نا ہو۔ اچھا یہ بتاؤ کوئی دوسرا کام بنا کے نہیں، ابھی۔''

''جی نہیں ماما جی۔ لیکن اُمید ہے کہ آٹھ مہینے تک اچھی نوکری مل جائے گی۔''

''ٹھیک ہے۔ جب تک یہ کام بھی دیکھ لو۔ روپے پیسے کی طرف سے کوئی فکر کی بات نہیں۔ دو چار پانچ سو روپے سے رائے صاحب کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ صرف یہ کہ اُن کے پوتے پوتیاں ہیں، وہ پڑھ لکھ جائے سیکھ جائیں۔''

ماما شربت لے کر آرہی ہے رُوی کے لئے۔

''کیا تُم نے اس لئے رُوی کو بُلایا ہے؟ کہ اُن ذلدرُوں کے ہاتھ سے مارا جائے، لے بیٹا۔ وہاں مت جانا۔ خبر دار جی اسے حویلی میں لے گئے تو ٹھیک نہیں ہوگا۔''

''تو کیا... رائے صاحب کے پوتے اور پوتیاں اتنے خطرناک ہیں۔''

''ارے خطرناک کیا بیٹا۔ راکشس ہیں۔''

ماما بولے۔

''پتا نہیں گھر بیٹھے بیٹھے کیا کیا سُنتی رہتی ہیں۔''

''میں ٹھیک سُنتی ہوں۔ تمہاری طرح بہری نہیں ہوں۔''

''کیا کہا...؟''

''شانتی کی ماں نے مجھے سب کچھ بتایا ہے۔''

رُوی نے اتنی باتیں سُن کر پوچھا۔

''لیکن انہوں نے کیا کیا ہے؟''

''ارے کیا بتاؤں بیٹا۔ درجنوں ماسٹر آئے چلے گئے، کوئی ٹکتا ہی نہیں۔ ایک دِلّی سے ماسٹر بُلوایا تھا شیطان بچّوں نے، اس کے بستر میں اتنا بڑا سانپ پھینک دیا۔''

ماما پھر بولے۔

''اجی کوئی ناپ تول کے بات کیا کرو جی۔ سانپ وانپ نہیں... کیچوا تھا کیچوا۔''

''لو کیچوا تھا کیچوا، تم نہیں کہتے تھے۔ ایک بنارس سے بُلایا تھا۔ وہ تو رات ہی رات کو بھاگ گیا۔''

''بنارس کا نہیں بریلی کا ہوگا کمبخت۔''

''کہیں کا بھی ہوگا۔ بھاگ تو گیا۔''

رُوی نے یہ سب سُن کر دل ہی دل میں سوچا۔

''معاملہ کافی انٹرسٹنگ لگتا ہے۔''

''رَوی بیٹا دیکھ... اپنی مامی کی بات سُن کر تیرا جی نہ مانے تو نہ لینا کام۔ پر چل کر ایک بار رائے صاحب سے مل تو لو۔ کیا بھروسہ تم اگر اچھے لگے تو اپنے بیوپار میں ساتھ رکھ لیں۔''

یہ سُن کر رَوی کو پنڈت جی کی آواز آئی۔

''تمہاری ہست ریکھا۔ سیدھا بیوپار کی دشا میں جاتی ہے تو تمہیں... بہت بڑا راج پاٹ ملے گا۔''

ماما نے مامی کو ڈانٹا۔

''خوامخواہ آتے ہی بچے کو ڈرا دیا۔ رَوی کیا کم بدمعاش تھا بچپن میں۔ بھول گئیں جب وہ تمہاری چوٹی میں مینڈک باندھ دیا تھا اور تم نے کیا تانڈو ناچا تھا۔''

سبھی ہنس پڑے۔

''اور میں نے پٹائی بھی تو خوب کی تھی۔''

...11

ماما جی کے ساتھ رَوی رائے صاحب کی کوٹھی پر پہنچا۔ دیوان نے اُنہیں نمسکار کیا۔

''نمسکار پنڈت جی۔''

''نمستے نمستے۔ رائے صاحب نیچے اُتر آئے کیا؟

رَوی کو دیکھ کر چوکیدار نے پوچھا۔

''یہ نئے ماسٹر جی آئے ہیں کیا؟''

ماما جی اُونچا سُنتے تھے۔ ماما جی نے اشارے سے پوچھا 'کیا'۔ چوکیدار نے

چلا کر پوچھا۔

''یہ کیا نئے ماسٹر جی آئے ہیں۔''

''ہاں... ہاں...''

ماما جی اور روی حویلی کے اندر چلے گئے۔ ماما جی نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''جو بات پوچھیں فوراً جواب دینا۔ گھبرانا بالکل نہیں۔ جوتے کی آواز بالکل نہ ہو۔''

روی کی جوتیوں سے چر چر کی آواز آ رہی تھی۔ دونوں دبے پاؤں کمرے کے باہر پہنچے۔ دروازے پر پردہ پڑا تھا۔

''جی میں اندر آ سکتا ہوں؟''

''آیئے پنڈت جی...''

اندر کمرے میں ایک بڑی سی کرسی پر رائے صاحب بیٹھے اخبار پڑھ رہے تھے۔ منہ میں سگار تھا۔ کندھے پہ ایک خوبصورت شال۔

ماما جی روی کے ساتھ کمرے میں داخل ہوئے۔

''یہ رہا روی، رائے صاحب۔ میرا بھانجا۔ چٹھی لکھتے ہی آ گیا۔''

رائے صاحب نے اشارے سے بیٹھنے کو کہا۔ روی مگر کھڑا ہی رہا۔

''بیٹھ جاؤ... کتنا پڑھے ہو؟''

''جی بی۔ اے کیا ہے، ایم۔ اے کرنا چاہتا تھا...''

''کیا کرنا چاہتے تھے یہ نہیں پوچھا۔ پڑھے کتنا ہو؟''

''جی بی۔ اے۔''

روی کے دل نے پکارا:

''دھت تیری کی۔ اس نے تو چھوٹتے ہی دھر لیا۔''

''کس سبجیکٹ میں بی۔اے کیا ہے؟''

''اکونومکس میں کیا تھا کیوں کہ....''

''کیوں میں نے نہیں پوچھا۔ بنا پوچھے جو آدمی کارن بتائے وہ جھوٹ بولتا ہے۔''

دل نے پھر چٹکی لی۔

''یہ سالا تو راکشس ہے۔ کھانے کو دوڑتا ہے۔''

''شہر میں کیا کرتے تھے؟''

''کچھ نہیں۔''

''گذر کیسے چلتی تھی؟''

''آج کل نہیں چلتی تھی۔''

''اس سے پہلے کیا کرتے تھے؟''

''ٹیوشن پڑھتا تھا۔''

''کون سی کلاس کی؟''

''پہلی سے دسویں تک۔''

''کتنا کما لیتے تھے؟''

''گذر کے لئے کافی تھا۔''

''تمہارے ودیارتھی تم سے ڈرتے تھے؟''

''جی نہیں۔''

''تو....''

''پیار کرتے تھے۔''

''بچے اگر غنڈے ہوں تو؟''

''بچے غنڈے نہیں ہوتے رائے صاحب۔ شرارتی ہو سکتے ہیں، بدمعاش

ہو سکتے ہیں۔''

''اگر بدمعاش ہوں۔انہیں ٹھیک کر سکتے ہو؟''

''کوشش کر سکتا ہوں۔''

''ڈر کر بھاگ تو نہیں جاؤ گے؟''

''بغیر بتائے نہیں بھاگوں گا اتنا کہہ سکتا ہوں۔''

''اگر تمہیں اس حویلی میں جگہ ملے تو رہ سکتے ہو؟''

''جی ہاں... وہ، ماما جی تو مجھے بتا ہی چکے ہیں۔''

''ماما جی نے پھر یہ بھی بتا دیا ہوگا۔ کہ یہاں کا ڈسپلین ذرا سخت ہے۔ یہاں کے قاعدے قانون مان کے رہ سکو گے۔''

''قاعدے قانون یہاں کے معلوم نہیں، کیسے کہہ سکوں گا، رہ سکوں گا یا نہیں۔''

رائے صاحب نے گھڑی دیکھی۔اور پوچھا۔

''کیا پیئں گے آپ لوگ۔ چائے شربت؟''

ماما جی بولے۔

''نہیں... اب چلیں۔کام ہے۔''

''پنڈت جی، آپ ایک منٹ ٹھہریئے۔''

روی کمرے کے باہر نکل گیا۔باہر آ کر روی نے اپنے آپ سے کہا۔

''بھاڑ میں جائے نوکری ایسی۔ بات کرتا ہے...''

پیر کی طرف دیکھا موجڑی تلوے سے پھٹ گئی تھی۔ کسی نے سوراخ کر دیا تھا۔بول پڑا۔

''یہ بھی چھلنی ہو گئی۔''

کچھ سوچتا ہوا وہ وہاں سے چلا گیا۔

12...

رَوی کی ماں پکوڑے تَل رہی تھی اور وہیں پاس ہی میں رَوی اور ماماجی ناشتہ کر رہے ہیں۔ ماماجی کہہ رہے تھے۔

''میں تو پھُول کے چار گُنا ہو گیا۔ جب رائے صاحب نے کہا آج سے پہلے کبھی ایسا ماسٹر دیکھا ہی نہیں، فوراً تنخواہ پکّی کر دی۔ کھانا، پینا، رہنا۔سہنا سب الگ سے۔ پہلے تو میں گھبرا ہی گیا۔ پھر رَوی نے وہ پھٹ پھٹ جواب دیئے کہ مزہ آ گیا۔''

ماں غُصّہ میں بول پڑی۔

''ہاں... ہاں... بڑا سُکھ مل جائے گا تمہیں۔ رَوی کو راکشس بچّوں کے پاس بھیج کر، اگر اسے کچھ ہو گیا، تب دیکھ لینا۔''

''تُم تو ایسی بات کر رہی ہو، جیسے میں اسے لام پہ بھیج رہا ہوں...''

''لام پہ نہیں، تو اور کیا۔ لام پہ سپاہیوں کے پاس بندوق رہتی ہے۔ اسے کیا دے کر بھیج رہے ہو۔''

''ماں جی آپ اتنا گھبرا کیوں رہی ہیں۔ آخر وہ بچّے ہی تو ہیں، کیا کر لیں گے اور پھر کوئی بچّوں سے ڈر کے اُنہیں پڑھانا چھوڑ دے یہ بھی تو کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ خیر دیکھتے ہیں، کون زیادہ پاجی ہے وہ کہ میں، اگر وہ لوگ بندر ہیں تو میں بھی...''

ماماجی کی نظر رَوی کی موجڑی پہ پڑی۔ تلے سے پھٹی دیکھ کر پوچھ لیا۔

''ارے جوتے کو کیا ہو گیا تمہارے؟''

رَوی نے موجڑی کو اُٹھا کر دیکھا جو تلوے سے پھٹی ہوئی تھی۔

''جی کوئلہ گر گیا تھا۔ اتنا جل گیا۔''

''ارے تو پھر پہننے کی کیا ضرورت ہے؟... دوسرا لے لیتے۔ تم چلو میرے ساتھ کل، جوتے کپڑے نئے لے دیتے ہیں تمہیں۔''

13...

رَوی، رائے صاحب کی حویلی میں اپنے سامان وغیرہ کے ساتھ پہونچا۔
نارائن جو حویلی کا نوکر تھا رَوی کا سامان اُٹھائے ان کے کمرے تک لے جارہا تھا۔
رَوی کے پیروں میں نئی موجڑی تھی جو چلتے ہوئے آواز کر رہی تھی۔ نارائن بول پڑا۔

''جوتوں میں تیل ڈالنا ہی پڑے گا۔''

''آئیں... ''

''آیئے ماسٹر جی۔''

نارائن کے پیچھے رَوی کمرے میں گیا اور کمرے میں نظر دوڑائی۔ نارائن سامان رکھ کر بولا۔

''کسی چیز کی ضرورت پڑ جائے تو... یہ بٹن دبا دینا، ہماری گھنٹی بج جاوے گی، ہم آ جائیں گے۔ آپ براجو، ہم حضور صاحب کو خبر کر کے آتے ہیں۔ چائے ناشتے کی ضرورت ہو تو... !''

''کچھ نہیں چاہیئے۔''

''اچھا۔''

نارائن کمرے سے باہر چلا گیا۔ رَوی پاس پڑی کتابوں کو دیکھنے لگا۔ ایک کتاب اُٹھائی اور دیکھتے دیکھتے کُرسی پر بیٹھنے لگا۔ جیسے ہی بیٹھا ویسے ہی کُرسی سمیت زمین پہ آ رہا۔ اُٹھ کر کُرسی کی طرف دیکھا تو اُس کا ایک پایہ ٹوٹا ہوا تھا۔ اور اُس میں رسّی لگی ہوئی تھی۔ وہ سمجھ گیا کہ کس کی شرارت ہے۔ وہ رسّی کو پکڑ کر رسّی کا دوسرا سرا کھوجنے لگا۔ کھوجتے کھوجتے باہر آیا۔ تبھی سامنے کا دروازہ بند ہوا۔ وہ اُس کمرے میں پہنچا جہاں چار بچے پڑھ لکھ رہے تھے۔ بڑی بہن رما اپنی چھوٹی بہن کی کنگھی کر رہی تھی۔ سبھی اپنے کام میں مصروف تھے کہ رما نے سر اُٹھایا اور رَوی کو دیکھ کر پوچھا۔

''کہیے کیا چاہیے ...؟''

''کچھ نہیں۔ یوں ہی... میں دیکھ رہا تھا کہ کون کہاں کہاں رہتا ہے۔''

''آئندہ کسی کے کمرے میں آنے سے پہلے کھٹ کھٹا لیجئے۔''

رَوی کی دل کی پکار ہوئی۔

''یہ بھی کوئی جھانسی کی رانی لگتی ہے...آئی ایم سوری، آئندہ خیال رکھوں گا۔''

یہ کہہ کر رَوی نے دروازہ بند کیا اور چلا گیا۔

...14

رَوی اپنے کمرے میں آیا اور اس رسّی کو اکٹھا کرنے لگا۔ جو کُرسی کے پایہ میں بندھی تھی۔ تبھی نارائن آ گیا۔

''ماسٹر جی آپ کو... ارے یہ کیا ماسٹر جی آتے ہی چت ہو گئے۔ ہاتھ پاؤں تو برابر ہیں کہیں لگی تو نہیں۔''

''کچھ نہیں۔''

''یہ سب انہیں اکئی دوتی کی شرارت ہے میں ابھی جا کر بی بی جی کو بولتا ہوں۔ ایسی چمڑی اُدھیڑے گی ہنٹر سے کہ نانی یاد آ جاوے گی۔''

''ارے سُن سُن... کسی سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''نہیں ماسٹر جی ابھی سے کان کھینچ کے رکھو نہیں تو مُنہ سے مونچھ بھی اُکھاڑ کے لے جاویں گے۔''

''کیا...؟''

''غلطی ہو گئی ماسٹر جی زبان میں ہڈی بھی تو نہیں دی، بھگوان نے، پچتا کے سے سنک جاوے ہے۔''

''نام کیا ہے تمہارا...؟''

''میرا نام نارائن جی... میرے باپ کا نام...''

''باپ کی ضرورت نہیں۔''

''چلو جانے دو... باپ کی کیا ضرورت ہے، بے فضولی۔''

''یہاں کتنے سال سے کام کر رہے ہو؟''

''جب میں چودہ برس کا تھا، تبھی سے صاحب حضور کی خدمت میں ہوں۔ لو میں تو بھول ہی گیا۔ حضور صاحب نے آپ کو یاد کیا ہے، دیوان خانہ میں۔''

''تم چلو میں آتا ہوں۔''

''جی...''

15...

دیوان خانے میں رائے صاحب بیٹھے اخبار پڑھ رہے تھے۔ باہر سے رَوی نے اندر آنے کی اجازت چاہی۔

''اندر آ سکتا ہوں میں؟''

''آؤ۔''

رَوی دروازے پر ہی موجڑی اُتار کر اندر گیا۔ رائے صاحب نے بیٹھنے کو کہا، تب وہ بیٹھا۔

''بیٹھو۔''

رَوی بیٹھتے بیٹھتے بے خیالی میں گرنے لگا کہ سنبھل گیا۔ یہ دیکھ کر رائے صاحب نے غصّہ سے رَوی کو دیکھا اُن کا پورا چہرہ سُرخ ہو رہا تھا وہ اپنی چھڑی لے کر گھمانے لگے۔ رَوی یہ دیکھ کر من ہی من بولا۔

''تیار ہو جا بیٹا۔ وہ تو بچے ہیں۔ یہ تو اُن کے باپ کا باپ ہے۔ خوامخواہ اس اوکھلی میں سر دیا۔''

''کمرہ دیکھ لیا اپنا؟''

''جی...''

''ٹھیک ہے؟''

''بہت اچھا ہے۔''

''کسی چیز کی ضرورت ہو تو نارائن سے کہہ دینا۔''

''جی...''

دروازے پہ سبھی بچے آ کر کھڑے ہو گئے۔''

''میں نے اس لئے بلایا ہے۔ تمہارے دو یارتھیوں سے ملا دوں۔''

رما کو چھوڑ سارے بچے آ کر لائن میں کھڑے ہو گئے۔ یہ دیکھ کر رَوی کے دل نے خبر دی۔

''یہاں تو کُنبہ کا کُنبہ ہی بگڑا ہوا ہے۔''

رائے صاحب نے پوچھا۔

''رما کہاں ہے؟''

بچے چپ رہے۔

''رما کہاں ہے؟''

تبھی رما بھی آ گئی اور دروازے کے پاس آ کے کھڑی ہو گئی۔ رائے صاحب نے پریچے کرایا۔

''رما سب سے بڑی ہے... میٹرک میں پڑھ رہی تھی جب... تب پڑھائی چھوٹ گئی۔''

پھر بچوں کی طرف اشارہ کر کے سب کا پریچے دیا۔

''یہ اجے... پانچویں یا چھٹی کلاس میں پڑھتا تھا۔اسکول میں ماسٹر سے لڑ کے بھاگ آیا۔اور پڑھائی چھوڑ دی۔ماں باپ نے پھر سے کسی اسکول میں بھیجنے کی کوشش نہیں کی۔چھوٹا وجے، منی... نیتا نام ہے اس کا... اور وہ ہے سنجے۔یہ لوگ تو ایک سرے سے گئے ہی نہیں اسکول۔تھوڑا بہت پچھلے سال میں جو ایک درجن ماسٹر جی سکھا سکے، سکھا گئے۔باقی اب تم پر ہے۔جب تک رہو جتنا سکھا سکو...''

اُسی وقت ستی آ گئی اور کُرسی کا ٹوٹا ہوا پایہ دکھا کر کہنے لگی۔

''بھیا... یہ دیکھا آپ نے۔''

''یہ کیا ہے؟''

''یہ کُرسی کی ٹانگ ہے جو ماسٹر جی کے کمرے میں رکھی ہوئی تھی۔ان شیطانوں نے توڑ کے رکھ دی۔سنا ہے ماسٹر جی کُرسی پر بیٹھے اور گر پڑے۔روی بولا۔

''جی گرا تو نہیں۔کیونکہ بیٹھا ہی نہیں۔''

''کیوں بہانہ کر رہے ہیں ماسٹر جی؟ اپنے ماتھے کی طرف دیکھیے، جہاں چوٹ لگی ہے وہاں زخم ہو گیا ہے۔''

''یہ... یہ تو تانگے سے اُترتے ہوئے اس کی کمانی لگ گئی تھی۔''

رائے صاحب نے حکم دیا۔

''ستی تم جاؤ... اور بحث نا کرو۔''

غُصہ میں ستی نے کُرسی کی ٹانگ وہیں پھینکی اور چلی گئی۔رائے صاحب نے پھر حکم دیا۔

''تم لوگ بھی جاؤ... اپنی کاپیاں اور کتابیں تیار رکھنا کل سے یہ نئے ماسٹر جی تمہیں پڑھائیں گے۔''

سبھی بچے چلے گئے جاتے جاتے چھوٹے لڑکے نے ماسٹر جی کو نمستے کیا۔

''نمستے...''

رُوی نے صرف ہاتھ جوڑا۔

''اچھا... میں بھی چلوں رائے صاحب۔''

''تمہارے ماما نے کچھ بتایا تمہیں۔ یہ بچے کون ہیں؟''

''جی ہاں... بتا رہے تھے کہ آپ کے بیٹے نیلیش رائے کے بچے ہیں۔ اور کن حالات میں لائے گئے یہاں، یہ بھی بتایا اُنہوں نے۔''

''پھر تمہیں اور کچھ بتانے کی ضرورت نہیں لیکن اتنا بتا دینا چاہتا ہوں۔ کہ ان کی بھولی بھالی صورتوں پر مت جانا۔ سب کے سب ایک نمبر کے ایکٹر ہیں۔ واسطہ پڑے گا تو یہی سمجھو گے۔ چڑیا گھر سے کچھ جانور لا کے باندھ دیئے ہیں اپنے گھر میں۔ کسی میں انسان بننے کے آثار نظر نہیں آتے۔ بہت غریبی میں پلے ہیں جانتا ہوں۔ لیکن رہنے سہنے کی تمیز اور تہذیب خریدنی تو نہیں پڑتی، ماں باپ سے نہ ملے تو انسان آس پڑوس سے سیکھ لیتا ہے لیکن ایسا لگتا ہے جیسے ان بچوں نے کچھ نہ سیکھنے کی قسم کھائی ہے۔ ایک ہی بات اچھی ہے ان بچوں میں اور وہ یہ کہ آپس میں پیار بہت ہے۔ ایک کو سزا دو، باقی سب بھوک ہڑتال کر دیتے ہیں۔ حالانکہ رما ان سب میں بڑی ہے۔ لیکن بلا کی ضدی، جھگڑالو، غصہ ایسے کہ جیسے ہر وقت ناک پہ بیٹھا رہتا ہو۔ سی کو وہ ایک آنکھ برداشت نہیں کر سکتی اور مجھے وہ... مجھے وہ اپنے بیٹے کا ہتھیارا سمجھتی ہے۔ سمجھتی ہے کہ میں نے جان بوجھ کے نیلیش کی خبر نہیں لی... حالانکہ میں نے سترہ سال انتظار کیا کہ شاید وہ کبھی ایک بار... رُوی، پتا نہیں مجھے یہ کیوں اُمید ہے کہ تم ان بچوں کو سُدھار سکو گے۔ آج تک کسی ماسٹر نے یہ نہیں کیا کہ ان کی طرفداری کی ہو۔ کُرسی سے گرا ہو اور کہہ دے، کہ تانگے سے چوٹ لگی ہے۔ رُوی اس سے بڑا کوئی

احسان مجھ پر نہیں ہوگا۔ اگر تم ان بچوں کو انسان بنا سکو۔''

''رائے صاحب میں اپنی پوری کوشش کروں گا انہیں پڑھانے کی، سمجھانے کی۔ بچے سمجھدار لگتے ہیں۔ ذہین لگتے ہیں، صرف یہ کہ ضدی ہیں۔ کہیں یہ ضد صحیح راستے پہ آگئی... تو کل ان بچوں پر آپ سے زیادہ فخر کرنے والا کوئی نہیں ہوگا۔ آپ ان بچوں کی اور چنتا مت کیجئے، اب مجھ پر چھوڑ دیجئے۔ مجھے اُمید ہے کہ میں... میں انہیں سنبھال سکوں گا۔ تو میں چلوں... اپنے کام کی تیاری کروں۔''

روی نے رائے صاحب سے نمسکار کیا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ رائے صاحب وہیں بیٹھے کچھ سوچتے رہے۔

16...

روی بالکنی سے ہوتا ہوا، اپنے کمرے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اُسے کچھ آواز سنائی دے رہی تھیں۔ مگر کس طرف سے آرہی تھی سمجھ نہیں پایا۔ کچھ دیر بعد اُسے محسوس ہوا یہ آواز تو اس کی موجڑی سے آرہی ہے۔ وہ اپنی موجڑی لے کر دیکھنے لگا تو اُس میں اندر کی طرف چو۔ چو۔ چو کرنے والا کھلونا لگا ہوا تھا، جو آواز کر رہا تھا چلنے پر، یہ دیکھ کر روی ہنس پڑا۔ تبھی نارائن اُس طرف سے گذرا اُسے ہنستا دیکھ کر پوچھا۔

''اجی کیا ہوا ماسٹر جی...؟ ارے کیا کر رہے ہیں آپ، جانتے نہیں ہنسا منع ہے۔ تنخواہ کٹ جائے گی۔''

''تنخواہ کٹ جائے گی؟''

''ہاں... میرے تو ہر مہینے دس بارہ روپئے کٹ جاتے ہیں، اس لئے جب ہنسی آتی ہے جنگل کی طرف بھاگ لیتا ہوں۔''

''پاگل کہیں کا۔ جب ہنسا ہو تو، دل کھول کے ہنس لینا، تنخواہ میں دے دیا

کروں گا۔"

ہنستے ہوئے رَوی اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔ بغل کے کمرے سے ستی دیوی نکلی اور پوچھا۔

"یہ کون تھا۔ جو اتنی زور سے ہنس رہا تھا؟"

"ماسٹر جی... وہ تو مجھ کو بھی ہنسنے کو بولے... پر میں تو بھاگ لیا..."

کہتے ہی نارائن وہاں سے بھاگ گیا۔

17...

جس کمرے کو کلاس روم بنایا گیا تھا اُس میں چار بچے بیٹھے تھے۔ رَوی کلاس رُوم میں آیا۔ اور بچوں کو دیکھتے ہوئے اپنی سیٹ تک گیا۔ بلیک بورڈ پر دیکھا تو ایک جانور کی تصویر بنی تھی جو چھڑی پکڑے ہوئے تھا۔ اور نیچے لکھا تھا 'نئے ماسٹر جی۔' رَوی یہ دیکھ کر بولا۔

"ڈرائینگ تو آپ لوگ اچھی کرتے ہو، لیکن ایک چیز اس میں زیادہ ہی ہو گئی۔"

رَوی نے ڈسٹر لے کر اُس جانور کے ہاتھ کی چھڑی مٹا دی اور کہا۔

"اس کی ہمیں ضرورت نہیں پڑے گی۔ اچھا تو آپ کی، اپنی اپنی کتابیں کاپیاں ہوں گی، آپ کے پاس۔"

یہ کہتے ہوئے رَوی نے چپکے سے اپنے پیروں سے چھو کر کُرسی کے پائے ٹٹول لئے۔ کہ سبھی سلامت ہیں کہ نہیں۔

"ایسا کیجئے... اپنی اپنی کاپی اور کتابیں بند کر لیجئے۔ نہ ہم پڑھائیں گے اور نہ آپ لوگ پڑھیں گے۔ ہم لوگ بیٹھ کر گپّیں ماریں گے۔"

سب سے چھوٹے سنجو نے بہن کی طرف جھک کر کہا۔

''یہ جھوٹ بولتا ہے... بعد میں پڑھائے گا۔''

''اچھا جی... پہلے ہم سب کے نام یاد کرلیں۔ آپ کا نام اجے آپ کا وجے۔ آپ نیتا اور آپ کا سنجو... ہے نا۔ ٹھیک بتایا نہ ہم نے، کیوں... جواب دیجئے۔''

نیتا بولی۔

''وہ بوڑھے نے بتایا تھا آپ کو۔''

''چھی چھی بیٹا... انہیں ایسے نہیں بولتے۔''

سنجو نے کہا۔

''بوڑھا تو ہے وہ... اس کی مونچھیں بھی سفید ہیں۔''

''چھی چھی... سنجو بیٹا۔ جانتے ہیں... وہ آپ کے کیا لگتے ہیں؟ بتایئے وہ آپ کے کیا لگتے ہیں؟''

سب سے بڑا اجے پاس پڑی سیاہی کی دوات کو گرانے لگا تھا زمین پر۔ یہ دیکھ کر زوی نے کہا۔

''اجے... آپ جانتے ہیں وہ کون ہیں؟''

''ہمارے باپ کا باپ ہے۔''

''ٹھیک... بالکل ٹھیک... وجے آپ اپنے باپ کو باپ کہہ کر بلاتے تھے؟''

''نہیں... بابو جی۔''

''آپ کے بابو جی اپنے باپ کو... کیا کہہ کے بلاتے ہوں گے؟''

''بابو جی...''

''گڈ... ویری گڈ یعنی کے آپ کے بابو جی کے بابو جی، آپ کے کیا

لگے...؟ دادا جی...؟ اگر دونوں کی تصویر آپ کے سامنے رکھ دی جائے، تو آپ کیسے بتائیں گے کون سی تصویر کس کی ہے۔''

''ایک بابو جی کی...''

''شاباش، اور دوسری...؟''

بیچ میں اجنے بولا۔

''ان کے باپ کی۔''

اجنے کی اتنی نفرت دیکھ کر رَوی نے بات کا موضوع بدل دیا۔

''آپ لوگوں کو گرمی نہیں لگتی... پنکھا نہیں چلایا۔''

پنکھے کے چلنے سے اُس پر رکھے لال پیلے کاغذ کے ٹکڑے گرنے لگے سارے بچے ہنس پڑے۔ رَوی یہ دیکھ کر ان کے ساتھ ہنسنے لگا۔ سارا کمرہ کاغذ کے کترون سے بھر گیا۔

18...

رَوی اپنے کمرے میں بیٹھا روز کا جو پروگرام ہوتا ہے اس کو پڑھ رہا تھا۔ کس وقت کیا کرنا ہے۔ نو بجے کھانے کا وقت۔ رَوی نے گھڑی دیکھی تو نو بج رہا تھا۔ وہ تیزی سے باتھ رُوم میں گیا اور مُنہ ہاتھ دھویا۔ اور پاس کے تولیہ سے ہاتھ مُنہ پونچھا۔ تولیہ میں رنگ تھا اُس کا پورا مُنہ رنگ سے بھر گیا تھا۔ لیکن وہ جلدی میں دیکھ نہ سکا اور ایسے ہی ڈائننگ ہال میں پہنچا۔

''گڈ ایوننگ... گڈ ایوننگ ایوری بڈی۔''

اُس کا چہرہ دیکھ کر سبھی ہنس پڑے۔ بچے بہت زور سے ہنس پڑے۔ رائے صاحب نے چُپ کرایا۔

''شٹ اپ۔''

رما بھی مسکرا رہی تھی۔ ستی دیوی اور رائے صاحب غصّہ میں آ گئے۔ رَوی نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے پوچھا۔

''کیا ہوا؟''

''تمہیں کیا ہوا؟''

''جی... مجھے...''

رائے صاحب نے کہا۔

''جاؤ... مُنہ دھو کر آؤ۔''

''مُنہ دھو کر آؤ... مطلب کیا ہے آپ کا؟''

''آئینہ نہیں ہے تمہارے کمرے میں؟''

کچھ محسوس کر کے رَوی نے چہرے کو چھو کر دیکھا، اور اُس کی سمجھ میں آ گئی بچوں کی شرارت۔ اُسے نارائن کی تنبیہ یاد آئی۔

''نئے ماسٹر جی ابھی سے کان کھینچ کے رکھو۔ نہیں تو مُنہ سے مونچھ بھی اُکھاڑ کر لے جاؤیں گے۔''

دل نے دُہائی لگائی۔

''خیریت اسی میں ہے بیٹا۔ خود ہی مونڈوا لو مونچھیں۔ نہیں تو جائیں گی کسی دن۔''

رائے صاحب بولے۔

''اب کھڑے سوچ کیا رہے ہو؟''

''جی کچھ نہیں۔ سیکنڈ ٹریک سُن رہا تھا۔''

کہتا ہوا رَوی وہاں سے چلا گیا۔ ستی دیوی بول پڑی۔

''ایڈیٹ۔''

...19

رَوی مُنہ دھونے جا رہا تھا۔ نارائن مل گیا جو کھانے کی تیاری کر رہا تھا۔ رَوی کو دیکھ کر اپنی ہنسی روک رہا تھا۔ رَوی نے کہا۔

''بچوں نے اپنا کام کر دیا۔ یہ تو بتا مُنہ کہاں دھوؤں۔''

نارائن نے ایک طرف اشارہ کیا اور اپنے کام میں لگ گیا۔

...20

ڈائننگ ٹیبل کے پاس ستی دیوی غُصّے میں بچّوں کو ڈانٹ رہی تھی۔

''کس نے کیا...؟''

بچّے چُپ۔

''نہیں بتاتے... جلدی بتاؤ... ورنہ ایک ایک کی چمڑی اُدھیڑ کے رکھ دوں گی۔''

سبھی چُپ چاپ تھے۔ ستی دیوی ہاتھ میں ایک پتلی سی چھڑی لے کر آ گئی جس سے بچّوں کو مارتی تھیں۔ پہلے چھوٹے بچّے کے پاس آئیں۔ رما یہ دیکھ کر کچھ سوچنے لگی۔

''سنجو کھڑے ہو جاؤ۔ بتاؤ کس نے کیا؟''

سنجو رونے لگا۔

''جلدی بتاؤ کس نے کیا؟''

رما اپنے بھائی کا رونا برداشت نہیں کر سکی۔ غُصّے میں کھڑی ہو کر اپنے بھائی کے پاس آ گئی۔

''چھوڑ دیجئے اسے... اتنا سا بچّہ اتنی بڑی شرارت نہیں کر سکتا۔''

''تو پھر کس نے کی ہے شرارت؟''

''میں نے... مجھے سزا دیجئے۔''

رما نے ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ ستی دیوی نے چھڑی چلا دی۔ یہ دیکھ کر رائے صاحب غصے میں بول پڑے۔

''ستی... اس کے ساتھ تم کیوں بے شرم ہو رہی ہو۔''

پھر راما اور بچوں سے مخاطب ہوئے۔

جاؤ... چلی جاؤ یہاں سے۔ دفعہ ہو جاؤ کوئی کھانا وانا نہیں ملے گا۔ بھوکی رہوگی تو عقل ٹھکانے آجائے گی۔''

رما سارے بچوں کو لے کر اپنے کمرے کی طرف چل دی۔ رَوی مُنہ دھو کر آ گیا یہ سب دیکھا اُس نے بھی۔ رائے صاحب نے رَوی سے کہا۔

''کھانا کھاؤ...''

...21

دُوسرے دن صبح کے وقت، رَوی اپنی کلاس روم میں پہنچا۔ بچے بیٹھے تھے۔ ٹیبل پر ایک چھڑی رکھی تھی۔ رَوی نے چھڑی دیکھی... کچھ سوچا۔ کمرے کے باہر نارائن کو جاتا ہوا دیکھ کر اُسے بلایا۔

''نارائن۔''

''جی ماسٹر جی۔''

''اندر آؤ۔ یہ چھڑی یہاں کس نے رکھی؟''

''جی... ہم نے رکھی۔''

''تم نے؟... وہ کیوں؟''

''وہ بڑی دیدی نے کہا تھا۔''

''یہ لو جاکر انہیں دے دو۔ اور کہو میں بچوں کو چھڑی سے نہیں پڑھاتا...
جاؤ...''

''جی...''

نارائن چھڑی لے کر کمرے سے باہر نکل گیا۔ رَوی نے بچوں کو دیکھا۔ پھر
سنجو کو بلایا۔

''سنجو... ادھر آؤ... ادھر آؤ بیٹا۔''

سنجو چپ چاپ ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔

''ادھر اُدھر کیا دیکھتے ہو۔ ہم بلا رہے ہیں، آیئے ہمارے پاس۔ اپنی
کتاب لے کر آیئے۔''

سنجو کتاب لے کر ماسٹر جی کے پاس پہنچا۔ رَوی نے جب کتاب دیکھی، تو
شروع کے کچھ پنے پھٹے ہوئے تھے۔

''ارے یہ کیا... شروع کے پنے کہاں ہیں؟''

''پڑھ لئے تھے۔''

''اسی لئے پھاڑ دیئے۔''

''ہاں...''

''باقی پڑھوگے کہ نہیں؟''

''نہیں...''

''اچھی بات ہے۔ جب تمہارا دل کرے گا تب پڑھائیں گے... اب جا
کر بیٹھ جاؤ۔''

سنجو گیا نہیں کھڑا رہا۔

''جا کر بیٹھ جاؤ۔''

سنجو نے اپنا ہاتھ آگے کر دیا۔

''یہ کیا...''

''مارو گے نہیں؟''

یہ سُن کر روی نے سنجو کا ہاتھ پکڑ لیا۔ سنجو کی معصوم باتیں سُن کر اُس کی آنکھیں بھر گئیں۔ باہر سے ستی دیوی آگئی۔

''ماسٹر جی، یہ چھڑی آپ نے میرے پاس کیوں بھیج دی؟''

''سنا آپ کی ہے، اس لئے۔''

''ہے تو میری۔ لیکن کلاس رُوم میں، میں نے کیوں رکھوائی تھی شاید آپ نہیں جانتے۔''

''جی میں جانتا ہوں۔''

''اوہ... تو اس کا مطلب ہے...''

''جی ہاں... اس کا مطلب ہے بچّوں کو پڑھانے کی ذمہ داری میری ہے آپ کی نہیں۔ میں چاہتا ہوں آپ میرے کام میں دخل نہ دیں۔''

''آپ کیا چاہتے ہیں کیا نہیں چاہتے مجھے نہیں سُننا۔ میں نے یہ چھڑی کلاس میں رکھوائی تھی۔ اور یہ یہیں رہیں گی۔ اسی کلاس میں۔''

ستی دیوی چھڑی رکھ کر جانے لگی تو روی نے کہا۔

''ستی دیوی... پڑھی لکھی آپ ضرور ہے لیکن... تمیز، تہذیب سیکھنے کی آپ کو بھی اُتنی ضرورت ہے جتنی کہ....

وہ غُصّے سے بولیں۔

''ماسٹر جی!''

''جی ہاں... کلاس میں ماسٹر کے ہوتے ہوئے۔ بغیر اجازت کے اندر آنا بدتمیزی ہے۔ شاید آپ نے کہیں سیکھا نہیں ہوگا۔''

پتہ نہیں کب رائے صاحب آ کر دروازے پہ کھڑے ہو گئے تھے، بولے۔

''رُوی ٹھیک کہتا ہے۔ تم باہر آ جاؤ۔''

رائے صاحب اور ستی دیوی چلے گئے۔ رُوی نے چھڑی توڑ کر پھینک دی۔ بچے یہ دیکھ کر خوش ہو گئے۔ رُوی، اجنے کے پاس گیا اور پوچھا۔

''اجنے مجھ سے پہلے جو ٹیچر تھے... وہ کیا پڑھایا کرتے تھے آپ کو؟''

''جغرافیہ۔''

''جغرافیہ میں کیا پڑھا؟''

کسی کے کچھ کھانے کی آواز آئی۔

''جغرافیہ میں آپ نے کیا پڑھا...؟ یہ کون کھا رہا ہے؟''

سنجو کچھ کھا رہا تھا۔ رُوی اس کے پاس گیا۔

''سنجو بابا، آپ کیا کھا رہے ہیں؟ ہمیں نہیں دیں گے؟ دکھاؤ تو سہی کیا کھا رہے ہو؟''

ایک ٹوسٹ کا ٹکڑا سنجو نے دکھایا۔ تبھی اجنے تیزی سے آیا اور اُس کے ہاتھ سے ٹوسٹ کا ٹکڑا لے کر پھینک دیا۔

''تم نے... ٹوسٹ کیوں پھینکا اس کا؟''

اجے بڑے غصّے میں بولا۔

''یہ نہیں کھائے گا... کوئی کچھ نہیں کھائے گا۔ جب تک دیدی کھانا نہیں کھائے گی۔''

رُوی کو یاد آیا کہ بچوں نے رات کھانا نہیں کھایا تھا۔

''آپ کی دیدی نے... کل سے کچھ نہیں کھایا؟''

پاس بیٹھی نیتا بول پڑی۔

''میں نے بھی نہیں کھایا۔''

''تم گھبراؤ نہیں بیٹے۔اب ہم سب ایک ساتھ کھائیں گے۔''

''اور دیدی...؟''

''دیدی بھی کھائے گی۔''

وجے نے کہا۔

''دیدی نہیں کھائے گی۔''

''وہ نہیں کھائے گی تو میں بھی نہیں کھاؤں گا۔میں بھی آپ لوگوں کے ساتھ بھوک ہڑتال کر دوں گا۔ٹھیک ہے۔آپ لوگ پڑھو میں آیا۔''

...22

رائے صاحب ہال میں بیٹھے سگار پینے کے لئے جلا رہے تھے۔تبھی روی نے پوچھا۔

''May I come in''

رائے صاحب نے پہلے گھڑی دیکھی پھر کہا۔

''آؤ۔آگئے تم بھی کلاس چھوڑ کے۔بچّوں کی شکایت کرنے۔''

''بچّوں کی شکایت نہیں رائے صاحب۔آپ کی شکایت کرنے آیا ہوں۔آپ ہی کے پاس۔میرا خیال ہے کہ، ان بچّوں کو ٹیچر کی ضرورت نہیں۔آپ نے مجھے خوامخواہ بلا لیا۔''

''مطلب...؟''

''مطلب یہ کہ... اب بچوں کو پڑھائی لکھائی کی ضرورت نہیں ہے۔ ان کو پیار اور ہمدردی کی ضرورت ہے۔ جو آپ نہیں دے سکتے۔ نہ ہی یہ دیوی۔''

''پیار اگر دوا کی طرح گھول کر پلایا جاسکتا تو وہ میں بھی کر دیتا۔ مشکل تو یہ ہے پیار کی کوئی گولیاں نہیں ملتیں۔ جو کھلاؤں ان بچوں کو۔ اُن جھونپڑوں سے اُٹھا کر یہاں لے آیا۔ ہر طرح کی سہولیت دی ہر طرح آرام دینے کی کوشش کی اچھا انسان بنانے کی کوشش کررہا ہوں۔ وہ سب کیا اس لئے کہ میں اُن سے پیار نہیں کرتا۔''

''آپ جس سہولیت، آرام کو پیار کہتے ہیں رائے صاحب۔ وہ پیار نہیں صرف سہولیت ہیں، صرف آرام ہے۔ جو کسی مریض کو کسی ہسپتال سے مل سکتا ہے۔ آپ نے ان بچوں کو تیمارداری دی ہے، پر ماں کی ممتا نہیں۔ ضرورت کی دوا تو آپ انہیں دے رہے ہیں۔ لیکن بنا ضرورت کا پیار تو صرف ماں باپ ہی دے سکتے ہیں۔ اُنہیں بچوں کے گُن نہیں دیکھنے پڑتے۔''

''تم کہنا کیا چاہتے ہو؟''

''کل رات آپ نے رما کو سزا دی تھی۔ اسے کھانا نہیں دیا۔ اس وجہ سے بچوں نے بھی کھانا نہیں کھایا۔ بھوکے سو گئے۔ کیا آپ نے ایک بار بھی کوشش کی اُنہیں منانے کی۔''

''کئی بار کی ہے رَوی۔ میں جانتا ہوں جو ماں باپ سزا دیتے ہیں وہ لاڈ بھی کرتے ہیں۔ لیکن ان بچوں کی ضد اور بدتمیزی۔ تمہیں اسی لئے رکھا ہے۔ اگر انہیں سمجھا سکو۔ سکھا سکو تو ٹھیک ہے ورنہ... ورنہ تم بھی جا سکتے ہو۔''

یہ سُن کر رَوی نے ایک پل کو کچھ سوچا اور کمرے سے باہر چلا گیا۔

23...

رما اپنے کمرے میں بیٹھی سلائی بُنائی کا کام کر رہی تھی۔ تبھی رُوی کی آواز آئی۔

''میں اندر آسکتا ہوں؟''

''آپ... آیئے... بیٹھیے۔''

''میں آپ سے کچھ پوچھنے آیا ہوں؟''

''کہیئے...؟''

''آپ جانتی ہیں۔ مجھے یہاں کیوں بلایا گیا ہے؟...''

''جی ہاں... ہم سب چڑیا گھر سے آئے ہیں۔ اسی لئے آپ کو بُلایا گیا ہے۔ تاکہ جانوروں کو محل میں رہنے کے طریقے سکھادیں۔''

''تم غُصّے میں ہو رما۔''

''تم نہیں... مجھ سے آپ کہہ کے بات کیجئے۔ میں آپ کی سٹوڈنٹ نہیں۔''

''میں جانتا ہوں۔ سُن چکا ہوں، آپ پڑھنا نہیں چاہتیں لیکن میں یہ نہیں... کچھ اور ہی پوچھنے آیا تھا آپ سے۔''

''پوچھیے۔''

''سُنا ہے مجھ سے بھی پہلے یہاں بہت سے ماسٹر آئے ہیں۔ لیکن سب بھاگ گئے۔ یا یُوں کہیئے بھگا دیے گئے۔ اگر آپ میرے لئے بھی یہی سوچتی ہیں۔ تو بتا دیجئے تاکہ... تاکہ میں خود ہی چلا جاؤں۔''

''نہ میں نے آپ کو بلایا تھا۔ نہ جانے کے لئے کہوں گی۔ یہ سوال آپ جا کے رائے صاحب سے پوچھیے۔''

''آپ سے پوچھنے کے لئے اس لئے آیا تھا کہ، جن بچوں کیلئے مجھے یہاں بلایا گیا ہے۔ ان کی ذمہ داری رائے صاحب سے زیادہ آپ پر ہے۔ سیکھنے سکھانے

کی یہاں کسی کو ضرورت نہیں ہے، جھگڑا یہ خاندان کا ہے بچوں کی تعلیم کا نہیں، میں تو جا رہا ہوں۔لیکن آپ کے چھوٹے چھوٹے بھائی بہن اتنے پیارے لگے، سوچا جانے سے پہلے آپ سے بھی کہہ دوں۔رائے صاحب بُرا کر رہے ہیں۔تو آپ بھی کچھ اچھا نہیں کر رہی ہیں۔رائے صاحب کی اور آپ کی ضد میں ان بچوں میں سے کسی کو کچھ ہو گیا، تو اس کی ذمہ داری آپ کی ہوگی رائے صاحب کی نہیں۔"

"اتنی ساری نصیحت آپ میرے لئے کیوں لے کر آئے ہے۔"

"اس لئے کہ آپ بغیر کھائے پیئے دس دن تک رہ سکتی ہیں۔لیکن چھوٹا سنجو، نیتا وہ کتنے دن تک رہ سکیں گے۔بچوں کی خاطر اگر رائے صاحب آپ کے سامنے جھک بھی گئے۔تو یہ مت سوچئے کہ آپ بڑی ہو جائیں گی۔آپ ان سے کہیں چھوٹی ہوں گی۔کہیں زیادہ پتھر دل۔

میں تو آج رات، رائے صاحب سے بات کر کے چلا جاؤں گا۔لیکن آئندہ یہاں کوئی ماسٹر آئے تو اُسے بھگانے کہ بجائے اُسے اپنا دوست بنایئے۔اور اتنے دن تک صبر کیجئے جب تک یہ بچے پڑھ لکھ کہ کسی ہوسٹل میں جانے کے قابل نہیں ہو جاتے۔ورنہ... ورنہ ان بچوں کا کیا ہوگا آپ خود ہی سوچ لیجئے۔"

یہ کہہ کر رَوی کمرے سے باہر نکل گیا۔رما سوچتی رہی۔

...24

رات کا وقت تھا۔گھڑی نے نو بجائے۔رَوی، رائے صاحب اور ستی دیوی کھانا کھانے جا رہے تھے۔اُسی وقت رما بھی بھائی بہنوں کے ساتھ داخل ہوئی۔اور اپنی اپنی کُرسی پر بیٹھ گئے۔رائے صاحب یہ دیکھ کر خوش ہو گئے۔اور رَوی کی طرف دیکھا۔رما بھی رَوی کو دیکھنے لگی رَوی مسکرا دیا۔

25...

رَوی اپنے کمرے میں کپڑے بدل رہا تھا۔ اسے لگا دروازے پہ کوئی ہے۔ چپکے سے رَوی نے دروازہ کھولا سامنے چھوٹا سنجو کھڑا تھا۔ رَوی نے اُسے پکڑ لیا۔

''کہیے... پکڑ لیا نا۔''

''آپ رہیں گے، کہ چلے جائیں گے؟''

''کیوں...؟''

''ڈیڈی نے کہا ہے رہنے کے لئے۔''

اتنا کہہ کر سنجو چھڑوا کر بھاگ گیا۔ رَوی پلنگ پر لیٹ کر کتاب پڑھنے لگا۔ تبھی نارائن جگ میں پانی رکھنے آیا۔ اُس نے رَوی کو کچھ گنگناتے ہوئے سُنا۔

''کیا کر رہے ہو ماسٹر جی...؟ گانا گاتے پکڑے جاؤ گے تو مارے جاؤ گے... یہ تو عادت ہی مت ڈالو۔''

''کیوں؟... گانا گانے میں کیا ہرج ہے۔''

''اوہو... وہی تو اصلی جڑ ہے فساد کی، اسی لئے میں آپ سے کہتا ہوں۔ گانا گانے کی اِچھا ہو تو، جنگل کی طرف نکل جایا کرو۔''

''جنگل میں؟''

''ہاں...''

''گانا گانے؟''

''ہاں...''

''کیوں؟''

''آپ بھی زیادہ دن ٹکتے نظر نہیں آتے۔ ساری بُری عادتیں لگا رکھی ہیں۔ کبھی گانا گانے لگتے ہو، کبھی ہنسنے لگتے ہو۔''

یہ سُن کر رَوی زور سے ہنسنے لگا۔ نارائن ڈر کے کمرے سے باہر بھاگنے لگا۔ رَوی نے اُسے روکا۔

''ارے سُن سُن... ادھر آ... بیٹھ بیٹھ۔ اچھا یہ بتا رائے صاحب گانے سے اتنا چڑتے کیوں ہیں؟''

نارائن وہیں رَوی کے پاس زمین پر بیٹھ گیا۔

''لو... آپ بھی کیا بات کرتے ہو؟... وہ آپ نے سُنا نہیں، سانپ کا کاٹا رَسّی سے بھی ڈرے۔''

''سنگیت میں ایسا کون سا زہر ہے، جو رائے صاحب ڈرتے ہیں۔''

''اُن کی زندگی کے لئے تو زہر ہی بن گیا۔''

''نیلیش کے لئے کہہ رہے ہو نا۔ کیاں وہ بہت اچھا گاتے تھے۔''

''ارے لاجواب بولو... لاجواب بولو ماسٹر جی۔ وہ اپنے دیوان جی ہیں نا دیوان جی۔ وہ کہتے تھے۔ ایک بار اُنہوں نے ریڈیو پر بھی سُنا تھا۔ ہاں ایک بات ہے ماسٹر جی، یہ گانا بجانا بھی سادھو سنتوں جیسا کام ہے۔ چوبیس گھنٹے اُسی میں دھیان لگا رہتا تھا چھوٹے بابو کا۔ آہا... تڑکے تڑکے بھور کے سمئے جب وہ گاتے تھے۔ سچ مانو آپ۔ ایسا لگتا تھا مندر کی دیوی کو جگا رہے ہیں۔ وہ باہر مولسری کا پیڑ ہے۔ باغیچے میں۔''

''ہاں...''

''کبھی اُس کے نیچے بیٹھ کے گاتے تھے۔ کبھی چھت پہ گاتے تھے اور گھنٹوں کھو جاتے تھے۔''

نارائن کی آنکھوں میں بیتے ہوئے دن پھر کروٹ لینے لگے۔ مانو نیلیش اُس کی آنکھوں کے سامنے کھڑا ہے۔

26...

نیلیش چھت پہ بیٹھ کے گنگنا رہا تھا۔

متوا بولے میٹھے بین

بولے میٹھے بین

سانورے کجرارے نین

گاتے ہوئے نیلیش پلٹا تو، نارائن کو دیکھ کر پوچھا۔

''ارے... تو کب سے کھڑا ہے یہاں؟''

''بہت دیر سے کھڑا ہوں چھوٹے بابو۔''

''بابوجی جاگے؟''

''کب کے... آپ کو دس بجے تیار ہونے کو بولے۔''

''کیوں...؟''

''وہ چودھری صاحب کے یہاں جانا ہے کہ نہیں وہ اس دن آئے تھے لڑکی کے ساتھ۔''

''ارے آج تو مجھے شہر جانا ہے۔ وہاں جا کر کیا کروں گا؟''

''لو... آپ ہی کی خاطر سب آنا جانا ہو رہا ہے۔''

''کاہے کا آنا جانا ہو رہا ہے؟''

''چھوٹے بابو۔ بڑے مال دار لوگ ہیں... ہاں...''

''ہوں گے۔ کون سا مجھے دے رہے ہیں؟''

''ایک بات کہوں چھوٹے بابو۔ لڑکی ہمیں بہت اچھی لگی۔''

''ہوں...''

''ہوں۔''

''ایک کام کر۔ تو ہی اُس سے شادی کر لے۔ میں کوئی اور ڈھونڈ تا ہوں۔''

نارائن ہنس پڑا۔

''مذاق کرتے ہیں... چھوٹے بابو۔ حضور صاحب سے کہہ کے آپ بات پکّی کرلو۔ مذاق نہیں، کرلو بات۔''

''چھوڑ نارائن۔ کون پھنستا ہے شادی کے نفنٹے میں۔''

گلاس دے کر نیلیش دوسری طرف چلا گیا۔ نارائن دیکھتا رہ گیا۔

...27

رائے صاحب تیار ہو کر نیلیش کے کمرے کے پاس آئے اندر سے نیلیش کے گانے کی آواز آ رہی تھی۔ پردہ ہٹا کر رائے صاحب نے دیکھا۔

رائے صاحب کمرے میں آ گئے۔ نیلیش نے اپنے پتا کو دیکھ کر گانا بند کر دیا۔

''بابو جی۔ بابو جی پتا ہے، آج پہلی بار میں اپنے اُستاد کے ساتھ بیٹھ کر گانا گاؤں گا۔''

''صبح نارائن نے تمہیں کچھ نہیں بتایا۔''

''نارائن نے...''

''اس نے کہا نہیں تمہیں دس بجے تیار رہنا ہے۔ تمہیں میرے ساتھ چودھری صاحب کے یہاں جانا ہے۔''

''لیکن بابو جی۔ آج تو مجھے شہر جانا ہے۔ ساڑھے گیارہ کی گاڑی ہے۔''

''اس لئے کہ تمہیں شہر جا کر گانا گانا ہے۔''

''جی ہاں۔''

''تمہارا گانا گانا چودھری صاحب کے یہاں، جانے سے زیادہ ضروری ہے۔''

''لیکن بابُو جی۔''

''نیلُو ہمارے خاندان میں اتنا بے تکا بے معنی جواب کسی بیٹے نے نہیں دیا، اپنے باپ کو۔ تم اس لئے میرے ساتھ نہیں چل سکتے کہ تمہیں گانا گانا ہے۔''

''جی گانا... میوزک کانفرنس ہے۔ ٹکٹ بِک چکے ہیں۔''

''اور اس سے تمہیں پیسے ملیں گے۔ ہیں نا... کتنے پیسے ملیں گے۔ کتنے پیسے ملیں گے جس سے تم اپنے باپ کا کفن خرید سکو۔''

''بابُو جی!''

''تمہیں اسی لئے ہوسٹل بھیجا تھا؟ پڑھ لکھ کر قوالوں کا پیشہ اختیار کر لو۔ اس حویلی کو کوٹھا بنا دو۔ تمہارے یہ ساز دیکھ کر میں سمجھا تھا کہ تم میں رئیسوں کا شوق جاگ اُٹھا ہے۔ مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ تم گا کر روزی کمانا چاہتے ہو۔ جس جگہ ایک بائی کو بیٹھا کر گانا سنا جاتا ہے۔ اُس جگہ بیٹھ کر تم گاؤ گے۔''

''آپ غلط سمجھ رہے ہیں بابُو جی۔ اُستاد شونا تھ جی ہندوستان کے بہت بڑے گویّے ہیں۔''

''سٹاپ یور اُستاد جی۔ میں چودھری صاحب کے یہاں جا رہا ہوں۔ شاید تم نہیں جانتے، اُن کی بیٹی کے ساتھ تمہاری شادی کی بات چیت چل رہی ہے۔ آدھے گھنٹے کے اندر گاڑی لے کر چودھری کے گھر پہ پہنچ جاؤ۔ سمجھے۔''

رائے صاحب کمرے سے باہر چلے گئے۔ نیلیش کچھ سوچتا رہا پھر اس نے نارائن کو بلایا۔

''نارائن۔''

28...

نارائن اُسی انداز میں بیٹھا روی سے نیلیش کی زندگی بیان کر رہا تھا۔

''ضدی تو بالکل باپ ہی کی طرح تھے۔ نہ گئے چودھری صاحب کے گھر۔ ایک چٹھی لکھ کر دے دی۔ اور شہر چلے گئے۔ پہلی بار دیکھا ماسٹر جی، باپ کا دل ٹوٹا۔ اچھا نہ کیا چھوٹے بابو نے۔ حضور روز کھانے کی ٹیبل پر اکیلے بیٹھتے تھے۔ اور اکیلے اُٹھ جایا کرتے تھے۔''

کہتے کہتے نارائن کو وہ منظر یاد آ گیا۔

رائے صاحب کھانے کی میز پر بیٹھے۔ سوچ میں کھوئے ہوئے۔ سبزی اُلٹی پلیٹ میں ڈالنے لگے۔ اس پر درد بھری آواز نارائن کی۔

''چھوٹے بابو نے ایک سال اور پڑھائی کی۔ اور ایک دن جب واپس آئے... تو...''

29...

نیلیش ایک لڑکی کے ساتھ حویلی میں واپس لوٹا۔ رائے صاحب سیڑھیوں سے اُترے۔ نیلیش نے اُن کے سامنے جا کر اُس کا پریچے دیا۔

''آپ کی بہو بابو جی۔ سُجاتا۔ شہر میں اچانک ایک ایسی گھٹنا ہو گئی کہ شادی کر کے آنا پڑا۔ پہلے ہم لوگوں نے سوچا تھا کہ... آپ کو وہاں بلا لیں گے یا ہم یہاں آ کر شادی کر لیں گے۔ لیکن...''

''لیکن کیا؟ ڈرتا تھا؟... کہیں میں نے بہو کو نہ اپنایا؟ یہی نا؟ ارے پاگل باپ کی خوشی وہیں ہوتی ہے جہاں بیٹا خوش ہو۔ تمہاری ماں تو نہیں ہے بیٹی، جو بہو کے سواگت کی رسمیں پوری کرے۔ ہاں اگر ہمیں معلوم ہوتا تو ہم دروازے پہ شہنائی

ضرور بجوا دیتے۔ لیکن کیا کریں تم لوگوں نے ہمیں شریک ہی نہیں کیا۔ جاؤ بہو کو اُوپر لے جاؤ۔''

نیلیش بہو کے ساتھ اُوپر کمرے کی طرف جانے لگا۔ رائے صاحب دوسری طرف چلے گئے۔

30...

رات کا وقت، نیلیش اپنی پتنی کے ساتھ ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھا، رائے صاحب کا انتظار کر رہا تھا۔ گھڑی کی طرف دیکھا نو بج رہے تھے۔

''نو بج گئے، بابُوجی کا ابھی تک پتا نہیں۔ میرے پیدا ہونے کے بعد آج پہلی بار بابُوجی لیٹ ہو رہے ہیں۔ مطلب پہلے ہوئے ہوں گے۔ مجھے نہیں معلوم۔ ورنہ وہ اتنے پنکچوئل ہیں۔ یہاں انہوں نے اپنی گھڑی کو چابی دینی شروع کی اور وہاں نو بجے۔''

نارائن ایک پلیٹ میں کھانا لے کر آیا مہک سونگھ کر نیلیش بول پڑا۔

''میتھی کا ساگ۔ بابُوجی کو بہت پسند ہے۔ کہاں ہیں بابُوجی؟''

''حضور کی طبیعت ٹھیک نہ ہے۔ وہ بولے آپ لوگ کھانا کھائیں۔ کھانا کھانے کے بعد دیوان خانے میں بلایا ہے۔''

''دیوان خانے؟''

''ہاں۔''

''اگر اُن کی طبیعت ٹھیک نہیں، تو اپنے کمرے میں کیوں نہیں ہیں۔''

''پتا نہیں صاحب۔ بولے کچھ نہیں۔''

نیلیش سوچ میں پڑ گیا۔ نارائن وہاں سے چلا گیا۔ سُجاتا نے پوچھا۔

''کہیں بابُوجی میری وجہ سے ناراض تو نہیں۔''

''نہیں... وہ ناراض ہوں گے، تو تمہاری وجہ سے نہیں، میری وجہ سے۔''

...31

رائے صاحب دیوان خانہ میں کھڑے کچھ سوچ میں ڈوبے سِگار کا کش لے رہے تھے۔ نیلیش دیوان خانہ میں پہنچا۔

''بابُوجی...''

''آؤ نیلیش، کھانا کھالیا؟''

''جی ہاں!''

''بہُو نے؟''

''جی ہاں اُس نے بھی کھالیا۔ سُنا ہے آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں۔''

''نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ Just feeling... بیٹھو۔''

''I am sorry بابُوجی۔ میں نے شادی آپ کی رضامندی لئے بغیر اس طرح کرلی... اس لئے...''

''نہیں بیٹا... تُمہاری شادی تمہاری مرضی سے ہی ہونا چاہیئے تھی۔ سو ہو گئی... اچھا ہوا...''

''سُجاتا کو کافی عرصے سے جانتا ہوں بابُوجی... وہ میرے اُستاد جی کی بیٹی ہے۔ اُستاد جی اچانک گُذر گئے۔ اس لئے مجھے اتنا وقت نہیں ملا کہ آپ کو خبر کر سکوں... حالانکہ میں یہی چاہتا تھا کہ... یہ شادی آپ کے آشیرواد لے کر ہو۔''

''ہر آدمی کو یہ حق ہے بیٹا... کہ وہ اپنی زندگی اپنی طرح بنائے۔ اور اُسے اپنی ہی طرح جئے۔ جیسا کہ میں نے کیا۔ کبھی کسی کی اُنگلی پکڑ کر نہیں چلا۔ میں خوش

ہوں۔ میرا بیٹا آج اتنا بڑا ہو گیا ہے کہ اُسے اب میری اُنگلی پکڑ کر چلنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اپنا ایک گھر بناؤ جہاں اپنی طرح رہ سکو۔ جیسا کہ میں نے اپنا گھر بنایا ہے۔ جہاں میں اپنی طرح رہتا ہوں۔ اُس میں دوسرے کی مرضی میں نہیں چلنے دیتا۔ ہاں باپ اور بیٹے کے درمیان کچھ فرض ہوتے ہیں وہ تم نبھاتے رہو گے... اور میں بھی نبھاتا رہوں گا۔

رائے صاحب نے جیب سے پیسے نکالے۔

''یہ پچاس ہزار روپئے میں نے تمہارے لئے نکالے ہیں انہیں لے جاؤ اور اپنی زندگی شروع کرو۔ اپنی طرح جہاں میرا کوئی دخل نہیں ہوگا۔ کمی محسوس ہو تو... الماری کھلی ہے جتنا اور چاہو لے جاؤ۔ مجھ سے پوچھنے کی ضرورت نہیں۔''

اتنا کہہ کر رائے صاحب دیوان خانہ سے باہر نکل گئے۔ نیلیش وہیں چپ چاپ کھڑا پیسوں کو دیکھتا رہا۔ پھر اس کو اُٹھایا اور جا کر پتا کی الماری میں رکھ دیا۔ ڈبڈبائی آنکھوں سے گھر نہارتا رہا جیسے سب کچھ کھو گیا۔

...32

رات کا وقت تھا' نارائن نیلیش کی زندگی روی کے سامنے بیان کر رہا تھا۔ کہ وہ کیسے حویلی چھوڑ کر گیا۔

''وہی آخری ملاقات تھی۔ باپ بیٹے کی۔ اُس کے بعد وہ دونوں ایک دوسرے سے کبھی نہیں ملے۔ اور نہ ہی ایک دوسرے کی خبر لی۔ سترہ سال بیت گئے، ماسٹر جی۔ اور پھر ایک دن کی بات ہے۔ جب صاحب شہر سے لوٹے تھے سب چٹھیوں میں ایک چٹھی چھوٹے بابو جی کی تھی۔ جن پیروں سے آئے انہیں پیروں

سے واپس لوٹ گئے۔ اور پھر جب تین دن بعد آئے... سب بچوں کو ساتھ لے کر آئے۔ پر کیا بتاؤں ماسٹر جی..."

یہ سنتے سنتے رَوی کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

"کیسی غریبی کی حالت میں آئے تھے بچے۔ پر حضور صاحب نے سب کا بہت خیال کیا۔ رما دیدی ہے نا اُن کا بھی غصّہ خاندانی ہے۔ اپنے دادا جی سے بھی زیادہ۔ ایک رات کو بچوں کو ساتھ لے کر، گھر چھوڑ کے جا رہی تھی۔ لیکن حضور صاحب نے سب کو زبردستی پکڑ کے واپس بلا لیا۔ ستی دیوی کو شہر سے بلا لیا۔ اور سب کا گھر سے نکلنا بند۔ کوئی پھاٹک کے باہر نہیں جا سکتا۔ تب سے گھر میں گانا سنگیت سب منع ہے۔ چھوٹے بابو کے کمرے میں تالا لگا دیا کوئی اندر نہیں جا سکتا ہے۔ لیکن یہ بچے بھی ایسی آفت ہیں ماسٹر جی۔ جتنی بھی سختی برتو یہ نہیں سدھریں گے، کتنے ماسٹر آ کر چلے گئے۔ وہ پچھلی بار ایک ماسٹر آیا تھا۔ وہ رات ہی رات میں لنگی میں ہی بھاگ گیا۔ کپڑے لتے بھی چھوڑ گیا۔ اب میں ہی وہ کپڑے... "

کہتے کہتے رُک گیا۔ رَوی بول پڑا۔

"نارائن میرے کپڑے ملنے سے رہے تمھیں۔ اگر میں گیا بھی تو اپنے کپڑے ساتھ لے کر جاؤں گا۔

"آپ کی تو بات ہی اور ہے ماسٹر جی۔"

"کیوں بھائی... میری بات اور کیوں ہے...؟

"آپ کے کپڑے آپ کے ماما جی کو پہنچا دیں گے۔"

"ہوں..."

"اب چلوں ماسٹر جی بہت دیر ہو گئی۔ تڑکے اُٹھنا ہے کل صبح حضور

شہر جارہے ہیں۔"

"شہر... کیوں...؟"

"وہ اپنے بزنس بیوپار کے لئے اکثر جایا کرتے ہیں۔ستی دیوی بھی جارہی ہیں۔"

"وہ کیوں جارہی ہیں؟"

"ان کا تو گھر ہی وہیں ہے۔اپنا گھر بار سنبھالیں گی۔اب میں چلوں۔"

یہ کہہ کر نارائن چلا گیا۔رات کافی ہو چکی تھی رَوی بستر ٹھیک کر کے سونے چلا۔

...33

صبح کا وقت' رائے صاحب شہر جانے کو تیار۔اُن کا سامان ٹھیک ٹھاک کیا جارہا تھا۔مُنیم جی پاس میں کھڑے تھے۔اُن سے کہا۔

"دیوان جی... سب ضروری کاغذات رکھ لئے؟"

"جی ہاں..."

"وہ بھی لیتے چلئے۔"

پاس ہی رَوی کھڑا تھا۔اُس کے پاس جا کر رائے صاحب نے کہا۔

"رَوی... ہو سکتا ہے میں شہر سے ایک ہفتہ میں واپس آجاؤں۔اور یہ بھی ہو سکتا ہے مجھے دس پندرہ دن لگ جائیں۔ستی میرے ساتھ جارہی ہے۔اس کا اپنا گھر بار ہے۔بچوں کے دیکھ بھال کے لئے بُلا لیا تھا۔اب اور کتنے دن یہاں رہے گی۔رَوی تم سمجھ سکتے ہو کہ کتنی بڑی ذمہ داری تم پر چھوڑ کر جارہا ہوں۔"

"جی ہاں رائے صاحب۔میں سمجھ رہا ہوں۔آپ کس امتحان میں چھوڑ کر جارہے ہیں مجھے۔اُمید ہے آپ کو مایوسی نہیں ہوگی۔"

"مجھے بھی یہی اُمید ہے کہ واپس آکر تم سے ضرور ملاقات ہوگی۔یہ نہ

سنوں کہ تم بھی بھاگ گئے۔ اور ہاں کسی چیز کی ضرورت ہو۔ میں نے دیوان جی سے کہہ دیا ہے۔ تمہیں کسی بات کی تکلیف نہیں ہوگی۔ جو چاہو گے مل جائے گا۔''

اچانک رَوی نے گھڑی دیکھی۔

''اچھا میں چلتا ہوں۔ میری کلاس کا وقت ہوگیا ہے۔''

رَوی وہاں سے چلا گیا۔ ستی دیوی بھی تیار ہوکر آ گئی تھی۔ رائے صاحب نے دیوان سے کہا۔

''دیوان جی... سامان گاڑی میں رکھوا دیجیے۔''

''جی اچھا...''

''چلو ستی...''

...34

رَوی اپنی کلاس میں پہنچا۔ آج کوئی بچہ کلاس میں نہیں تھا... ایک پل کو اُس نے کچھ سوچا اور آگے بڑھا۔ سامنے بلیک بورڈ پر لکھا تھا۔ 'آج چھٹی ہے' رَوی نے پڑھا اور مُسکرا دیا۔ اور اپنی کُرسی پر بیٹھ گیا۔ ایک کتاب اُٹھائی اور پڑھنے لگا۔ دیوان جی وہاں سے گذرے تو دیکھا کہ کلاس میں بچے نہیں ہیں۔ پوچھا۔

''ماسٹر جی۔''

''آئیے دیوان جی۔''

''کیا بات ہے؟... آج بچوں کی کلاس نہیں لے رہے ہیں۔''

''جی نہیں... آج میں نے بچوں کو چھٹی دے دی ہے۔''

بولتے بولتے رَوی نے ایک کاپی لی اور کچھ لکھنے لگا۔

''رائے صاحب کے جاتے ہی۔''

''جی ہاں... دیوان جی، یہ کچھ کتابیں لکھ دی ہیں منگوا دیجئے۔ اور ساتھ میں کیرم بورڈ کا سیٹ بھی اور کرکٹ کا سامان بھی۔''

''آپ کیا کر رہے ہیں ماسٹر جی؟''

''جو میں کہہ رہا ہوں۔ وہ میں نے لکھ دیا ہے۔''

''لیکن رائے صاحب آئیں گے تو آپ...''

''آپ اُنہیں یہ کاغذ دکھا دیجئے اور کہئے گا یہ سامان میں نے منگوایا ہے۔''

''میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔ آپ کیا کر رہے ہیں۔''

''کچھ بھی تو نہیں کر رہا ہوں دیوان جی۔ آپ کل صبح تک یہ سامان منگوا دیجئے۔''

''جی...''

رَوی کلاس سے باہر چلا گیا۔ دیوان جی اس پرچے کو دیکھتے رہے جو رَوی نے اُنہیں دیا تھا۔

35...

بالکنی میں نارائن صاف صفائی کر کے کمرہ بند کر رہا تھا۔ رَوی کو دیکھ کر پوچھا۔

''ماسٹر جی آپ۔ ریل گاڑی کہاں ہے؟''

''اُنہیں آج چھٹی دے دی ہے۔''

''آئیں؟... بچ گئے۔''

''کیوں...؟''

''ارے ماسٹر جی... وہ اگر یہاں آ گئے ہوتے تو میں مر گیا ہوتا۔ اُن سے چھپ کے کمرہ صاف کرنا پڑے ہے۔''

ایک کمرے کوتالا لگا رہا تھا۔

''چھپ کر کیوں؟... کس کا کمرہ ہے؟''

''چھوٹے بابو کا۔''

''نیلیش کا۔''

''جی...''

''کھول۔ دیکھیں تو سہی کیا ہے؟''

''نہیں ماسٹر جی۔ وہ آ گئے تو بڑی مشکل ہو جائے گی۔''

''نہیں... نہیں کچھ نہیں ہوگا... تو جا میں بند کر دوں گا۔''

روی نے نارائن کے ہاتھ سے چابی لے کر دروازہ کھولا۔

''کچھ ہو گیا تو آپ ہی سنبھالنا۔''

یہ کہہ کر نارائن وہاں سے بھاگ گیا۔ روی نے دروازہ کھولا۔ اندر آیا۔ ایک طرف ستار، ہرمونیم، طبلا رکھا ہوا تھا۔ دیوار پر نیلیش کی فوٹو لگی تھی۔ جس میں وہ ستار بجا رہا تھا۔ روی ستار لے کر بجانے لگا۔

ستار کی آواز نے گھر کے سبھی لوگوں کو اپنی طرف راغب کیا۔ ہر ایک کا سر بے اختیار نیلیش کے کمرے کی طرف اُٹھا۔ نوکر چاکر حیرت میں پڑ گئے۔ کہ سنگیت کا اس گھر میں گذر نہیں تھا۔ بچے دوڑ کر اپنے کمرے سے نکلے۔ رما بے خودی میں نیلیش کے کمرے کی طرف چل دی۔ پیچھے بچے بھی۔

روی اپنی دُھن میں ستار بجاتا رہا۔ آنکھ کھلی تو دیکھا سارے بچے سامنے کھڑے تھے۔ ساتھ رما بھی۔

''ارے آپ... آپ لوگ کب آئے؟''

رما نے کہا۔

''آپ تو بہت اچھی ستار بجاتے ہیں۔''

چھوٹی نیتا روی کے پاس چلی گئی اور بولی۔

''ڈیڈی تو اس سے بھی اچھی ستار بجاتی ہے۔''

''اچھا؟... تو آپ اپنی ڈیڈی سے کہئے ہمیں بھی ستار سنائے۔''

''سناؤ نا ڈیڈی۔''

رما نے کہا۔

''پہلی بار اس گھر میں ساز کی آواز سنی۔ آپ کو ڈر نہیں لگتا رائے صاحب...''

نیتا نے کہا۔

''بوڑھا تو...''

رما نے نیتا کے منہ پر ہاتھ رکھا۔

''بوڑھا نہیں... دادا جی۔ کتنی بار سکھایا تم لوگوں کو۔''

تینوں لڑکے آپس میں شرارت کرنے لگے۔ وجے نے سنجو کو چھیڑا تو اس نے گالی دی۔

''اے حرامی۔''

رما پلٹی۔

''سنجو گالی کہاں سے سیکھی؟''

''چوکیدار سے...''

یہ جواب سن کر سبھی ہنس پڑے۔ روی نے پوچھا۔

''آپ لوگ کلاس چھوڑ کر کہاں چلے گئے؟''

رما نے حیرت سے بچوں سے پوچھا۔

''تم کلاس میں نہیں گئے آج؟ یہ لوگ پڑھنے نہیں آئے؟''

اجنتے نے بہانہ کیا۔

''داداجی باہر چلے گئے۔اسی لئے ہم لوگ کھیلنے باہر چلے گئے۔''

رُوی نے کہا۔

''تو ہمیں بتایا کیوں نہیں۔کیا کھیلنے گئے تھے؟''

''گلی ڈنڈا۔''

''گلی ڈنڈا... گھر میں، کوئی شیشہ ویشا ٹوٹ جاتا تو؟''

سنجو نے بتایا۔

''ایک تو ٹوٹ بھی گیا۔آپ کی کھڑکی کا۔''

''بُری بات، گلی ڈنڈا کھیلنا ہو تو، باہر جا کے کھیلنا چاہیئے۔''

اجنتے نے کہا۔

''باہر جانے کون دیتا ہے؟''

''چلیئے... ہم لے کر چلتے ہیں۔''

''آپ لے کے جائیں گے؟''

''ضرور لے کر جائیں گے۔کیوں نہیں؟''

سنجو خوشی سے بول پڑا۔

''اگر نہیں چلیں گے تو دیکھنا۔چلو نا دیدی۔''

''نہیں تم لوگ جاؤ۔''

''نہیں نہیں ایسے کوئی نہیں جائے گا، جائیں گے تو ہم سب ساتھ جائیں گے۔''

سبھی بچے رما سے کہنے لگے۔

''چلو نا دیدی... چلو نا دیدی۔''

کہتے کہتے سبھی بچے کمرے کے باہر نکلے۔پیچھے پیچھے رُوی بھی نکلا۔

36...

رَوی کے ساتھ گاڑی میں سبھی بچے، نیتا، سنجو، اجئے، وجئے اور رما باہر گھومنے جا رہے تھے۔ سبھی کے چہرے خوشی سے کھل رہے تھے۔ ایک خوشی بھرا ماحول تھا۔ اس ماحول میں رَوی گا پڑا۔

سارے کے سارے گاما کو لے کر گاتے چلے
پاپا نہیں ہے، دھانی سی دیدی
دیدی کے ساتھ ہیں سارے۔۔۔
سارے کے سارے گاما کو لے کر گاتے چلے۔

رَوی نے بچوں سے کہا۔

''تم بھی گاؤ۔''

''لا... لا... لا... لا۔''

''ایسے نہیں بولو میں گاؤ...''

سارے کے سارے گاما کو لے کر گاتے چلے
پاپا نہیں ہے، دھانی سی دیدی
دیدی کے ساتھ ہیں سارے۔۔۔
سا سے نکلے روز سویرا، دُور کرے اندھیرا
رے سے ریشمی کرنوں نے خوب کیا اُجیارا
لا... لا... لا... لا۔

''رما تُم بھی گاؤ نا۔''

سورج کی روشن کرنوں پہ سارے گاتے چلے
لا... لا... لا... لا۔

پاپا نہیں ہیں، دھانی سی دیدی

دیدی کے ساتھ ہیں سارے۔۔۔

گا سے گُن گُن گا گا... ما... ما سے مدھم

ما... ما... پا سے ایک پنجاری...

''آپ جانتی ہیں ہم کیا گا رہے ہیں؟''

''میں... اتنا نہیں سمجھوں گی... آپ انہیں سرگم سکھا رہے ہیں۔''

''آپ نے تو نہیں سکھایا۔ آپ نے تو اپنے بابو جی سے سیکھا ہوگا۔ ہاں تو ہم کہاں تک پہنچے تھے؟''

''پنچم تک۔''

''کیسے...؟ گایئے نا۔''

رما نے گانا شروع کیا۔

سا... سا رے گا... گا ما پا... پ ما گا

گا ما پا... ما رے ما گا رے گا...

روی آگے بڑھا۔

گا سے گُن گُن کرتا ہے۔

گھومے کیاری کیاری۔

ما سے میٹھے بولوں میں۔

پا سے ایک پنجاری۔

رما نے بھی دوہرایا۔

گا سے گُن گُن کرتا ہے۔

گھومے کیاری کیاری۔

ما سے میٹھے بولوں میں۔

پا سے ایک پُجاری۔

بچوں نے تال دی۔

لا... لا... لا... لا۔

بھنورے سے پھولوں پر سارے گاتے چلے

لا... لا... لا... لا۔

پاپا نہیں ہیں، دھانی سی دیدی

دیدی کے ساتھ ہیں سارے۔۔۔

دھا... ما... گھا... پا... گا

دھا سے دھوپ سُنہری ہے۔

یہ نیند نشیلی لاگے۔

رما نے آگے بڑھایا۔

سرگم ہوگئی پوری...

اب کیا ہوگا آگے

سرگم کے ساتھ

سرگم کی دُھن پہ گاتے چلے۔

...37

روی کے ماما کا گھر۔ مامی جی، ماما جی کے لئے کھانا پروس رہی تھیں۔ عادتاً بڑبڑ کرتی جا رہی تھیں۔

''اچھا خاصا رسوئی میں کھاتے تھے۔ یہ نیا شوق چرایا ہے۔ انگریز چلے

گئے، میز کرسی چھوڑ گئے تمہارے لئے۔''

''ارے شکر کرو ہمیں چھوڑ گئے تمہارے لئے۔ اگر لے جاتے ولایت تو دیکھا کرتی راہ، بیٹھ کر۔''

''جی... آ... ہا... !''

دروازہ کی کنڈی بج اٹھی۔ ماما جی نے کہا۔

''پتا نہیں کون آیا دروازے پہ۔ ٹھہرو آرہا ہوں۔''

ماما جی نے آنگن کا دروازہ کھولا تو دیکھا سامنے رَوی سارے بچوں کے ساتھ کھڑا تھا۔ رَوی کو دیکھ کر مامی جی خوش ہو گئیں۔

''رَوی... رَوی... مامی کو بھول گیا کیا؟...''

''اتنے دن آ نہیں سکا۔ آج سکول کو لے کر ہی آ گیا۔''

رَوی نے مامی جی سے سب کا پریچے کرایا۔

''مامی... یہ ہے رما... رائے صاحب کی پوتی۔''

رما نے آگے بڑھ کر مامی جی کے پیر چھوئے۔

''جیتی رہو... جیتی رہو... آؤ... آؤ اندر آؤ۔''

سنجو نے بھی مامی کے پیر چھوئے۔

''میں بھی پائے لاگو۔''

مامی جی نے اُسے گود میں اٹھالیا۔

''ارے اتنے چھوٹے ہو... اور پاؤں پڑتے ہو۔''

ماما جی نے اندر جاتے ہوئے سب کو بلایا۔

''ارے تم سب... رما... آؤ آؤ بھائی...''

کہتے کہتے وہ بیوی کو بھی بھائی کہہ بیٹھے۔ نیتا نے سُن کر کہا۔

''ماما جی مامی جی کو بھی بھائی کہتے ہیں۔لڑکی ویدی ہوتی ہے بھائی تھوڑے ہوتی ہے۔''

سبھی لوگ ہنس پڑے۔

''ہاں بھائی یہ ہماری ویدی ہے... ہم لوگوں کی شکل کتنی ملتی جلتی ہے۔ بالکل بھائی بہن کی شکل لگتے ہیں۔اچھا یہ بتاؤ ہم دونوں کی شکل میں کیا کیا ملتا ہے؟''

''بال دونوں کے سفید ہیں۔''

سنجو بیچ میں ٹپکا۔

''آپ کے تو ہیں بھی نہیں۔''

''چپ...''

سارے لوگ ہنس پڑے۔

''چلو... چلو اندر چلو۔''

اندر پہنچ کر ماما جی نے پلنگ پر سب کو بیٹھنے کو کہا۔

''آؤ... آؤ... بیٹھو بیٹی بیٹھو۔''

پاس ہی ایک ستار رکھا ہوا تھا۔رما نے دیکھ کر پوچھا۔

''یہ ستار کون بجاتا ہے... ماما جی آپ۔''

مامی بیچ ہی میں بول پڑی۔

''کان سے سنائی نہیں پڑتا۔ستار کیا بجائیں گے؟''

روی نے بتایا۔

''میں بجایا کرتا تھا۔جب میں پہلے یہاں رہا کرتا تھا۔''

مامی نے روی سے کہا۔

''روی، ان بچوں کے کھانے کا بندوبست کرو، بچارے بھوکے ہوں گے۔''

رما جلدی سے بول پڑی۔

''کھانا تو ہم کھا کے آئے ہیں۔''

چھوٹے سنجو نے کہا۔

''کہاں کھایا۔ بھوک تو لگی ہے۔''

مامی بولی۔

''میں بناتی ہوں...''

''ہم سب مل کر کھائیں گے۔''

''ہاں... ہم سب مل کے ہی کھاتے ہیں۔''

ماما جی کہتے کہتے اُٹھنے لگے تو مامی نے ٹوکا۔

''ارے اُٹھ کہاں رہے ہو۔ ابھی کھانا بنانا ہے۔''

کہہ کر مامی جی کچن کی طرف گئیں۔ رما بھی کچھ سوچ کر اُن کے پیچھے گئی۔

''میں ابھی آتی ہوں۔''

بچے بھی اُٹھ کر باہر آنگن میں چلے گئے۔ پلنگ پر صرف ماما جی اور رَوی رہ گئے۔ ماما جی نے پوچھا۔

''رائے صاحب کب آ رہے ہیں؟''

''پانچ سات دن میں، لیکن آپ کو کیسے معلوم ہوا وہ باہر گئے ہیں۔''

''وہ تو ان بچوں کو دیکھ کر سمجھ گیا کہ رائے صاحب باہر گئے ہیں۔''

''میں تو کہتا ہوں ماما جی، آپ لوگ خوامخواہ ان بچوں کو بدنام کرتے ہیں۔''

''لو میں کہاں بدنام کرتا تھا۔ وہ تو تُمہاری مامی خلاف رہتی تھی ہر وقت۔''

''اتنے پیارے بچے ہیں کہ...''

کہتے کہتے رَوی رُک گیا۔ سامنے دیکھا تو بچے اُسی پچھلی موجزی میں سے

اُنہیں دیکھ رہے تھے۔

''بہت پیارے بچے ہیں (ہنس کر) کبھی پریشان نہیں کرتے۔''

ماں جی کی آنگن میں بنے کچن ہی سے آواز آئی۔

''رَوی یہ دیکھ یہ کیا کر رہی ہے؟''

''رما کیا کر رہی ہوگی؟ میں ابھی آیا۔''

رَوی اُٹھ کر باہر کچن کی طرف چلا گیا۔

...38

کچن میں رما ماں جی کو آٹا نہیں سانے دے رہی تھی۔ اُن کے ہاتھ کو ہٹا رہی تھی۔ اس لئے ماں جی نے رَوی کو آواز دی۔

''کیا ہوا ماں۔''

''دیکھ نہ بیٹا... ذرا سمجھانا اِسے۔''

رما بولی۔

''آپ کیا سمجھتی ہیں مجھے کھانا بنانا نہیں آتا۔ بابُوجی جب تھے۔ سارے گھر کا کھانا میں اکیلے ہی بنایا کرتی تھی۔ نوکر تھوڑے ہی...''

''ماں جی میں کیا کہوں... بس اتنا ہی کہہ سکتا ہوں۔ آپ دونوں چھوڑ دیجئے میں بنا دیتا ہوں۔''

کہتے کہتے رَوی کچن کے اندر چلا آیا۔ رما نے ٹوکا۔

''جوتے پہن کر کچن میں آ گئے۔''

''او... ہو۔''

رَوی نے جوتے اُتار کے کچن کے باہر رکھے۔

''لگتا ہے آپ بھی میری مامی جی کی طرح برہمن ہیں۔''

رَوی وہیں اُن لوگوں کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ رَما نے کہا۔

''جائیے نا... آپ اندر جا کر بیٹھئے نا۔''

''دیکھا مامی جی... اسے کہتے ہیں آگ لینے آئی تھی... چوکا سنبھال کے بیٹھ گئی۔''

''چوکا ہی کیوں؟... میری طرف سے پورا گھر سنبھال لے۔''

یہ سُن کر رما جھینپ گئی۔ رَوی نے خاموشی سے دُوسری طرف چہرہ کر لیا۔

...39

بچے اپنے گھر پہنچے سبھی خوش تھے۔ سبھی اپنے اپنے کمروں کی طرف بھاگے۔ رَوی اُنھیں وہیں کھڑا اُنہیں سیڑھیاں چڑھتا ہوا دیکھتا رہا۔ اُس کے پیچھے دیوان جی کھڑے تھے۔ بچوں کے جانے کے بعد اُن کی طرف مُڑا۔

''کہیئے دیوان جی کوئی خبر رائے صاحب کی۔''

''جی وہ...''

''آپ پریشان نظر آ رہے ہیں۔''

''ماسٹر جی، جو آپ کر رہے ہیں وہ اچھا نہیں کر رہے ہیں۔''

''کیا...؟''

''یہی کہ جو ہر روز بچوں کو باہر لے جاتے ہیں۔''

''تو کیا ہوا...؟ بچے ہر روز کھاتے بھی ہیں۔ سوتے بھی ہیں۔ اور پڑھتے بھی ہیں۔ اگر ہر روز کھیلنے یا گھومنے چلے گئے تو اس میں کیا ہرج ہے؟''

''یہ تو آپ جانتے ہیں۔ رائے صاحب واپس آ جائیں گے تو انہیں کیا

جواب دیں گے؟''

''اچھا دیوان جی، ایک بات بتائیے کیا اس سے پہلے ان بچوں کو، اتنا پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔نہیں دیکھا نا... میری جگہ ہوتے تو جانتے، کہ اس سے پہلے یہ بچے اتنی محنت سے کبھی نہیں پڑھے ہوں گے۔اُس دن جو کتابیں لا کر دی تھی آپ نے انہیں۔وہ کتاب بہت پہلے اپنی دیدی سے پڑھ چکے ہیں۔صرف ضد میں اپنے ماسٹروں کو تنگ کیا کرتے تھے۔یہ وہی بچے ہیں نا۔جو اپنے ماسٹروں کی ناک میں دم کر دیا کرتے تھے۔اُنہیں دودنوں میں بھگا دیا کرتے تھے۔اب بھی اُنہیں دیکھ کر آپ کو وہی لگتا ہے۔وہی محسوس ہوتا ہے آپ کو۔''

''میں بچوں کے لئے نہیں۔رائے صاحب کے لئے پوچھ رہا ہوں۔''

''دیوان جی، مجھے اس گھر میں بچوں کے لئے رکھا گیا ہے۔رائے صاحب کے لئے نہیں۔''

تبھی سیڑھیوں سے سارے بچے اُترتے نظر آئے۔آگے بڑے لڑکے اجے نے رَوی کے پاس سے گذرتے ہوئے کہا۔

''سر... نو بجنے میں پانچ منٹ باقی ہیں، سر۔آج آپ کھانے پہ لیٹ ہو جائیں گے۔''

رَوی نے دیوان جی کی طرف دیکھا۔جو اپنا سر جھکا چکے تھے۔بچوں کی اتنی خوشی اور پابندی دیکھ کر۔

...40

ڈرائینگ ہال۔سبھی بچے اپنے آگے کی پلیٹ اُٹھا کر سیدھی کر رہے تھے۔
رَوی بھی ڈائننگ ہال میں داخل ہوا۔اور بولا۔

''ہم کیسے لیٹ ہوں گے۔ جب ہم آ ہی گئے۔''

نیتا نے ہنستے ہنستے کہا۔

''سیم سیم ماسٹر جی نے مُنہ نہیں دھویا۔''

''سیم کی بچی۔ ابھی تین منٹ باقی ہیں۔ (گھڑی کی طرف اشارہ کر کے)
ہم دو منٹ میں مُنہ دھو کر آتے ہیں۔''

رَوی تیزی سے اپنے کمرے کی طرف بھاگا۔ سامنے سے آتی رما سے ٹکرا گیا۔ بچے کھلکھلا کر ہنس پڑے۔

''I am sorry''

گرنے سے رَوی کے ہاتھ میں چوٹ لگ گئی تھی۔ رَوی نے دوسرے ہاتھ سے اُس ہاتھ کو تھاما۔ یہ دیکھ کر رَما اُس کی چوٹ کو سہلانے لگی۔ رَوی کو درد ہوا۔ رما نے کہا۔

''I am sorry''

41...

رات کا وقت۔ رَوی بچوں کو بھوت کی کہانی سنا رہا تھا۔ اور رما رَوی کے ہاتھ میں لگی چوٹ پر بام لگا رہی تھی۔

''جب رات بہت ہو گئی۔ نائی وہ پیٹنا کرنے والا۔ دونوں لنگڑے بھوت کے گھر میں گھس کے بیٹھ گئے۔ جب لنگڑا بھوت واپس آیا، تو اُس نے دیکھا۔ دروازہ بند ہے۔ باہر سے بولا۔ 'اندر کون ہے؟' نائی سمجھ گیا۔ پھر سے لنگڑا بھوت کو بولا۔ 'باہر کون ہے۔''

رَوی کہانی کے کرداروں کی آواز بدل بدل کر نکال رہا تھا۔ بچوں کے چہرے کافی سنجیدہ ہو گئے تھے۔

''میں لنگڑا بھوت ہوں۔''

''میں رگڑا بھوت ہوں۔''

''میں بھوت ہوں تم کو کھا جاؤں گا۔''

''میں یم ڈوت ہوں تم کو کھا جاؤں گا۔''

سنجو اور نیتا ڈرنے لگے۔ نیتا نے سنجو کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا۔ سنجو نے کہا۔

''ماسٹر جی یہ ڈرتی ہے۔''

وجے نے پوچھا۔

''پھر کیا ہوا؟''

''پھر بھوت نے بولا 'تیری نشانی کیا ہے؟... نائی نے کیا کیا۔ اپنا استرا نکال کے باہر پھینک دیا۔ 'دیکھ میرا ناخن دیکھ۔' بھوت نے سوچا جس کا ناخن اتنا بڑا ہے وہ کتنا بڑا ہوگا۔''

یہ سُن کر نیتا کو ہنسی آئی سنجو نے ڈانٹا۔

''چُپ...''

''جب باہر سے کوئی جواب نہیں آیا تو نائی نے اپنا چونا کرنے والا رسا باہر پھینک دیا... اور بولا 'دیکھ... میرا بال دیکھ۔' بھوت حیران ہو گیا۔ پھر بھی کوئی جواب نہیں ملا۔ تو نائی نے پھر سے کہا۔ 'بھوت تُو یہاں سے بھاگ جا۔ ورنہ میں تُم پر تھوک دوں گا۔' پھر نائی نے چونے والے کا چونا لیا اور کھڑکی کے باہر پھینک دیا۔ 'یم ڈوت، یم ڈوت، بچاؤ... بچاؤ... یم ڈوت کہہ کے بھوت بھاگ گیا۔ کہانی ختم۔''

سبھی ہنس پڑے۔ سنجو بول پڑا۔

''سر ایک اور کہانی سناؤ نا۔''

''ایک اور کہانی سُنیں گے؟''

وجنے نے کہا۔

''بھوت کی نہیں سر۔''

کچھ سوچ کر زوی پھر شروع ہوا۔

''ہاں... بیجو اور تان سین کی کہانی سناتے ہیں۔''

''ہاں سر وہ سنایئے۔''

''اچھا آپ لوگوں کو معلوم تو ہوگا... کہ تان سین اکبر کے دربار میں سے نو رتنوں میں سے ایک رتن تھا۔ اپنے زمانے کا بہت بڑا گانے والا۔ ایک دن اکبر کے دربار میں... ایک اور گانے والا آ گیا... 'بیجو... ' بیجو باورا، اُس نے کہا، اُس نے کہا میں تان سین سے مقابلہ کروں گا۔ بس پھر کیا تھا... سارے درباری جمع ہو گئے۔ سنگِ مرمر کے تخت لگا دیئے گئے۔ ایک پر تان سین بیٹھ گیا، ایک پر بیجو۔ اب تان سین نے گانا شروع کیا۔ تان سین کے گاتے گاتے جتنے پرندے، چرندے تھے وہاں کے سب اکٹھا ہو گئے۔ اور تان سین نے کیا کیا... اپنی جیب سے سونے کی زنجیر نکالی اور ہر ایک ہرن کے گلے میں پہنا دی، جیسے ہی گانا ختم ہوا، سب ہرن بھاگ گئے۔ پھر... پھر تان سین نے کہا بیجو سے اب تم یہ زنجیریں واپس لاؤ۔ بیجو نے گانا شروع کیا، جیسے ہی بیجو نے گانا شروع کیا، جو چرند پرند بھاگ گئے تھے نا... وہ واپس آ گئے... بیجو نے گاتے گاتے وہ زنجیریں نکال لیں، اور تان سین نے کو دے دیں۔ اب بیجو کی باری تھی۔ بیجو نے ایسا راگ گایا، ایسا راگ گایا، کہ جس سنگِ مرمر پر بیٹھا تھا نا... وہ پگھلنے لگا، بیجو گاتا گیا، یہاں تک کہ بیجو اُس میں پھنسنے لگا۔ اُسے پھنستا دیکھ کر سارے درباری چلّا اُٹھے، اُن کے چلّانے کی آواز سے بیجو کا دھیان ٹوٹ گیا۔ بیجو نے گانا بند کر دیا۔ جیسے ہی بیجو نے گانا بند کیا سنگِ مرمر پھر جُڑ گیا۔ اور بیجو وہیں پھنسا رہ

گیا۔ پھر بیجو نے تان سین سے کہا کہ تم گا کر مجھے یہاں سے نکالو۔ تان سین گھبرا گیا، بولا... 'ارے...''

کہتے کہتے بچوں کی طرف دیکھا سارے سو چکے تھے۔ اور رما کے ہاتھ میں ابھی تک رُوی کا ہاتھ تھا جس پر وہ بام لگا رہی تھی۔

''یہ سب تو سو گئے۔''

رما نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔

''پھر بیجو کو نکالا تان سین نے؟''

''پھر...''

کچھ محسوس کر کے رُوی نے اپنے ہاتھ کی طرف دیکھا تو ابھی تک رما کی ہتھیلی پر تھا۔ اُس نے گھبرا کر ہاتھ ہٹایا۔

''پھر باقی کہانی کل سناؤں گا۔ رات بہت ہو گئی ہے آپ بھی سو جایئے۔''

رُوی جانے لگا تو رما نے رُوی کو آواز دی۔

''سُنیے...''

''جی آپ نے کچھ کہا۔''

''جی ہاں...''

رما اُس کے پاس گئی۔

''آپ مجھے، آپ کہہ کے کیوں بلاتے ہیں؟... اُس دن غصہ سے کہہ دیا اس لئے۔''

''اچھا کیا... آپ کہہ کے بلانا بری بات تھوڑی ہی ہے۔''

''آپ مجھے آپ مت کہئے بس!''

''تو پھر میں آپ کو کیا کہوں؟''

''کہا نا آپ مت بُلائیے۔''

''ٹھیک ہے آئندہ میں آپ کو تم کہہ کے بُلاؤں گا۔ گُڈ نائٹ۔

''گُڈ نائٹ۔''

رما کچھ جھینپ رہی تھی۔ چہرے پر شرم کی سُرخی تھی۔ رُوی اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔ رما سامنے لگے شیشے کے سامنے گئی اپنے کو دیکھتے ہوئے شیشے میں بالوں کو سلجھانے لگی۔ اور خود سے کہا۔

''گُڈ نائٹ ۔''

...42

صبح کا وقت۔ سنجو رُوی کے دروازے پہ کھڑا ہو کے بھوت کی آواز بنا کر بولا۔

''اندر کون ہے؟''

کچھ جواب نہ ملنے پر سنجو نے اندر جھانکا اور باتھ رُوم سے پانی کے گرنے کی آواز سے اُدھر دیکھنے لگا۔ باتھ رُوم کے دروازے کے پاس جا کر بولا۔

''اندر کون ہے؟''

رُوی نہا رہا تھا۔ آواز سمجھ گیا، پوچھا۔

''باہر کون ہے؟''

''میں لنگڑا بھوت ہوں... کھا جاؤں گا۔''

رُوی باتھ رُوم سے نکل کر سنجو کو گود میں اُٹھا لیا۔

''یہ لنگڑا بھوت صبح صبح یہاں کیا کر رہا ہے؟''

''آپ کا ہاتھ کیسا ہے؟''

''ہاتھ تو ٹھیک ہے بیٹا، کیوں؟''

''ویدی نے دوائی بھیجی ہے اور کہا ہے مالش کرلو۔''

دروازے پہ نارائن چائے کی ٹرے لئے کھڑا سنجو کی بات پر ہنس رہا تھا۔

''جاؤ... ویدی کو ہماری طرف سے Thank you کہنا۔''

رَوی نے سنجو کو نیچے اُتار دیا۔ نارائن ناشتہ لے کر اندر آیا اور ہنسنے لگا۔ رَوی بولا۔

''اتنی زور زور سے ہنس رہا ہے کہیں تنخواہ کٹ گئی تو؟''

''آپ نے بھی کمال کا جادو کیا ماسٹر جی... سارے گھر کا نقشہ بدل دیا۔ اب تو بچّے پڑھتے بھی ہیں، کھیلتے بھی ہے۔ ہنستے بھی ہیں۔

نارائن چائے نکالتے نکالتے کہہ رہا ہے۔

''کسی کو جنگل میں جانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔''

''لیکن جب رائے صاحب آئیں گے، تب کیا ہوگا؟''

''ہاں... تب کیا ہوگا؟... پر ایک بات ہے ماسٹر جی۔ حضور صاحب بُرے آدمی نہیں ہیں ہاں... کڑک بہت ہیں۔ وہ فوج چھوڑ دی پر فوجداری نہیں چھوڑی۔''

''نیلیش کے گھر چھوڑنے سے پہلے بھی کیا رائے صاحب ایسے ہی تھے؟''

''نہیں... کڑک تو ایسے ہی تھے۔ پر تب تو ہنسی مذاق بھی کرلیا کرتے تھے۔''

''بڑا دُکھ لگا لیا دل سے رائے صاحب نے۔''

''ہم نے تو کوئی بیس برس سے حضور کی ہنسی نہیں سُنی ماسٹر جی۔''

''نارائن بھگوان نے چاہا تو اس بار اُنہیں ہنستا ہوا دیکھو گے۔''

''ہاں ماسٹر جی... ایک بار ہمارے حضور صاحب کو خوش کردو۔ اُن کی ہنسی واپس لوٹا دو۔ جو مانگو میں... (سوچ کر) ہماری اتنی حیثیت کہاں ماسٹر جی... پھر بھی اگر زندگی مانگو گے... تو وہ... بھی... وہ بھی۔''

اتنا کہتے کہتے نارائن کی آنکھیں بھر آئیں۔ اور وہ کمرے سے چلا گیا۔

43...

دوپہر کا وقت تھا۔ زوی بچوں کے ساتھ کیرم بورڈ کھیل رہا تھا۔

''Very Good... ابھی آپ لوگ سفید والی گوٹیاں لیں گے۔

چاروں بچے کھیل رہے تھے۔ اور زوی انہیں سکھا رہا تھا۔

''اور آپ لوگ کالی والی لیں گے ٹھیک۔''

بیتا نے کہا۔

''نہیں ہم تو لال والی گوٹی لیں گے۔''

''آپ لال والی نہیں لیں گے۔ کالی والی لیں گے۔ چلو کھیلو۔''

سبھی نے کھیلنا شروع کیا۔ سنجو ادھر اُدھر دیکھتا ہوا ڈھیرے سے ایک سفید گوٹ ہاتھ سے ہی ہول میں ڈال دی۔ زوی نے دیکھ لیا۔

''ارے یہ کیا... بے ایمانی کرتے ہو۔ اچھا اب دیکھتے ہیں کیوئن کون لیتا ہے؟''

بچے بڑے شوق سے کھیل رہے تھے۔ اور زوی کھیل کا طریقہ بتا رہا تھا۔

سنجو بہت چھوٹا تھا اس لئے اُس کی باری پر خود کھیل دیتا یا اُس کا ہاتھ پکڑ کر کھلاتا۔ کچھ دیر بعد جب بچے خود سے کھیلنا شروع ہو گئے تو زوی نے کہا۔

''اچھا تم لوگ کھیلو میں چلتا ہوں۔ گھنٹے بھر بعد اپنے کمرے میں جا کر آرام کرنا اور دیکھو گیم میں کوئی بے ایمانی نہیں کرے گا۔ سنجو... نہیں کرو گے نا؟ چلو کھیلو۔''

زوی وہاں سے چلا گیا... بچے کھیلتے رہے۔ سنجو نے چپکے سے لال گوٹ اٹھا کر اپنی جیب میں رکھ لی۔

44...

رما اپنے کمرے میں بیٹھی کوئی کتاب پڑھ رہی تھی۔ تبھی ایک کالا بھنورا اُڑتا

ہوا رما کی طرف آ گیا۔ رما اُسے دیکھ کر ڈر گئی ۔ اُس کو بھگانے کی کوشش کرنے لگی۔
اُسی کوشش میں اُس نے گالی بھی بک دی۔

''حرامی...''

بھنورا منڈلا کر وہیں آس پاس بیٹھ جاتا تھا۔ وہ ڈر کر اپنے بستر میں چھپ گئی چادر اپنے اُوپر اوڑھ لی۔ کچھ دیر بعد اُس نے جھانکا تو بھنورا نہیں تھا وہ خوش ہو گئی اور بستر سے نکل آئی۔ اور پاس بیٹھے بھنورے کو دیکھ کر چیخ ماری۔ کمرے کے باہر سے رَوی جا رہا تھا۔ رما کی چیخ سُن کر اس کے کمرے میں آیا اور پوچھا۔

''رما... رما... کیا ہوا؟''

''کیڑا۔''

''کیڑا کیا؟''

''ادھر بیٹھا ہوا تھا۔''

''یہاں تو کچھ بھی نہیں ہے۔''

''ابھی تھا۔ آدھے گھنٹے سے پریشان کر رہا تھا۔''

''کون...؟''

''کیڑا۔''

''کیڑا...؟''

یہ کہہ کر رَوی ہنسنے لگا۔

''سچ تھا... کالا...''

پھر رما نے چادر پہ بیٹھا اُسے دیکھا تو ڈر کر رَوی کے کندھے سے جا لگی اور اشارے سے بتایا۔

''ارے سچ میں... تم پگلی ہو... اس سے کیا... چلو جی کیڑے جی مہاراج۔''

رَوی نے اُسے رومال سے پکڑ کے کھڑکی سے باہر پھینک دیا۔ اور رما سے کہنے لگا۔

''چ... چا... جیسے کسی شیر سے پیچھا چھڑا رہی ہو۔''

رَوی کہہ کر ہنسنے لگا اور رما ہنس کر ہنسنے لگی۔

45...

نارائن کچھ صاف صفائی کر رہا تھا کہ رَوی کے ماما جی وہاں آ گئے اور آواز دی۔

''نارائن...''

''پنڈت جی آپ، آئیے۔''

''رَوی کہاں ہے؟''

''ماسٹر جی... بچوں کو پڑھا رہے ہیں کمرے میں۔ پانچ منٹ میں آتے ہوں گے۔ آپ بیٹھو۔''

پنڈت جی صوفے پہ آ کر بیٹھ گئے۔

''معاف کرنا ذرا پنڈت جی ذرا کام ختم کرلوں۔''

''کر... لو... کرلو۔ رائے صاحب کب آ رہے ہیں؟''

''چار پانچ روز میں آ جائیں گے۔ دیوان جی کو چٹھی آوئی ہے۔ اس میں لکھا ہے پچیس کو آویں گے۔''

''پچیس؟... آج رہی پندرہ۔ ارے ابھی تو دس روز باقی ہیں۔''

''ارے دس روز تو ہفتے میں گذر جاویں گے۔ سمئے جاتے کوئی وقت لگے ہے۔''

اُسی وقت سارے بچے چلاّتے ہوئے آئے۔

''ماما جی... ماما جی۔''

رَوی بھی اُنھیں کے ساتھ آیا اور ماماجی کے پیر چھوئے۔

''ماماجی پائے لاگو۔''

''جیتے رہو۔''

رَوی کو پیر چھوتے دیکھ کر سنجو نے بھی ماماجی کے پیر چھوئے۔

''پائے لاگو ماماجی۔''

''ارے... ارے... جیتے رہو۔ جیتے رہو۔ کلاس ختم ہوگئی۔''

''جی ماماجی۔''

اجنے نے خوشی سے بتایا۔

''اب آدھے گھنٹے بعد کیرم بورڈ کی کلاس ہوگی۔''

''اچھا... کیرم بورڈ کی بھی کلاس ہوتی ہے۔''

''جاؤ بچو... اپنے کمرے میں جاؤ۔''

بچے چلے گئے۔ ماماجی اور رَوی وہیں بیٹھ گئے۔

''کہیے ماماجی کیسے آنا ہوا؟''

''بھئی... تمہاری ایک چٹھی آئی تھی۔''

ایک خط جیب سے نکال کر رَوی کو دیا۔ رَوی نے لفافہ کھول کر چٹھی نکالی اور پڑھنے لگا۔

''کس کی چٹھی ہے؟''

''امیت کی۔''

''کیا لکھا ہے؟''

''میری تو نوکری لگ گئی ماماجی۔ دو دن کے اندر اندر ڈیوٹی جوئن کرنی ہے۔''

''بہت اچھی کمپنی ہے۔ اور نوکری بھی بہت اچھی ہے۔ آنے سے پہلے interview دے کر آیا تھا، ایک مسٹر وکیشت ہیں اُنہیں کی مدد سے۔''

''پہنچنا کب ہے؟''

''آٹھارہ تاریخ کو۔''

''اٹھارہ!... مطلب دو دن بعد۔''

''جی ہاں...''

''اتنی جلدی کیسے جاؤ گے۔ اور یہاں کیا ہوگا؟''

''ہاں وہ مشکل ہے کیونکہ رائے صاحب بھی یہاں نہیں ہیں اور...''

''... اور بچے... اُن کا کیا ہوگا؟''

''لیکن ماما جی یہ نوکری ہاتھ سے چلی گئی تو وہ بھی اچھا نہیں ہوگا۔ یہاں اور کتنے دن کام ہوگا میرا۔ بچے ساری عمر گھر پر تھوڑے ہی پڑھیں گے۔ اُنہیں بھی تو اسکول بھیجنا ہوگا۔''

''دیکھو بھئی... میرا تو خیال ہے کہ رائے صاحب کے آنے سے پہلے کوئی فیصلہ نہیں کرنا چاہیئے... اچھا میں چلتا ہوں۔''

ماما جی کھڑے ہوئے جانے کے لئے، رَوی سوچ میں پڑ گیا۔ جاتے جاتے بولے۔

''آنا کسی روز گھر پر، رما کو بھی ساتھ لے آنا۔ تیری مامی پوچھ رہی تھی۔''

ماما جی باہر کی طرف جانے لگے رَوی اُن کو چھوڑنے چلا۔

...46

رما اپنے کمرے میں بیٹھی گیت گا رہی تھی۔ جو اُس نے اپنے باؤجی سے

سیکھا تھا۔

''بیتی نا بیتائی رینا۔''

رَوی رما کی آواز سُن کر اُس کے کمرے میں آ گیا۔ رَوی کو دیکھ کر وہ چُپ ہو گئی۔

''گاؤ نا... چُپ کیوں ہو گئی۔''

''آپ کے سامنے نہیں گا سکتی۔''

''وہ کیوں...؟ میں کوئی ایجوکیشن آفیسر تو ہوں نہیں۔ جو اچھے گانے کی داد نہ دے سکو۔''

''اس لئے نہیں... میں، خود بڑی بے سُری ہوں۔''

''مگر سُن کر تو ایسا نہیں لگا، کس اُستاد سے سیکھا ہے۔''

''بابُو جی سے۔''

''اُستاد... بابُو جی...''

رما ہنسنے لگی اور پاس پڑی نوٹ بک چھپانے لگی۔

''دیکھیں کیا...؟''

رَوی نے نوٹ بک لے لی۔

''بابُو جی کی کاپی ہے۔''

اُسی کاپی میں رما کی ماں کی فوٹو تھی۔ اُسے رَوی دیکھنے لگا۔

''یہ ماں جی...''

رما نے سر ہلایا ہاں میں۔

''بابُو جی کا یہ آخری گیت تھا، جو مجھے سکھایا تھا۔ اُس وقت ماں جی بھی نہیں تھی۔ اُن کو گذرے تین چار سال بیت چکے تھے۔ اور بابُو جی بہت بیمار رہتے تھے۔''

...47

رما گانے لگی، اور اپنے ماضی میں کھو گئی۔ اُس گذرے ہوئے دور میں جب
وہ اپنے بابُوجی کے سامنے بیٹھی گا رہی تھی۔

بیتی نا بتائی رینا

بِرہا کی جائی رینا

بھیگی ہوئی آنکھیوں نے...

لاکھ بُجھائی رینا...

بیتی نا بتائی رینا

بیتی ہوئی بتیاں، کوئی دوہرائے

بھولے ہوئے ناموں سے، کوئی تو بلائے

چاند... وہ... وہ

رما گاتے گاتے اٹک گئی تو نیلیش نے آگے بڑھایا۔

چاند کی بندی والی، بندی والی رتیاں

جاگی ہوئی آنکھیوں میں، رات نا آئی رینا

بیتی نا بتائی رینا

باپ اور بیٹی دونوں ساتھ ساتھ گا رہے تھے۔ اور نیلیش اپنی بیٹی کو سُروں
سے باندھ رہے تھے۔

یُگ آتے نہیں، اور یُگ جائیں

چھوٹی چھوٹی یادوں کے پل نہیں جائیں

نیلیش کو کھانسی آ گئی۔ رَما نے سَر پکڑ لیا۔

پل نہیں جائیں...
جھوٹ سے کالی لگیں...
لگیں کالی رتیاں...
روٹھی ہوئی آنکھیوں نے لاکھ منائی رینا

گانا ختم ہونے سے پہلے ہی، نیلیش کھانسنے لگا اُس نے مُنہ کو رومال سے ڈھک لیا۔ رمانے پوچھا۔
"بابُوجی... تکلیف ہو رہی ہو۔ ڈاکٹر چاچا کو بلاؤں۔"
نیلیش نے ہاں میں سر ہلایا۔ رما بھاگ کر باہر کی طرف گئی۔ نیلیش نے رومال کو دیکھا۔ اور چھپا کر جیب میں رکھ لیا اور جیب سے ایک لکھی چٹھی نکالی۔ اور پڑھنے لگا۔

"پوجنیئے بابُوجی۔
سترہ سال ہوئے آپ کا گھر چھوڑے۔ یُوں کہیئے اپنا گھر بسائے۔ جیسا آپ نے کہا تھا۔ ویسا ہی جیا۔ اپنی طرح۔ لیکن آج محتاج ہو گیا ہوں۔ اپنے لئے نہیں۔ اپنے چھوٹے چھوٹے بچّوں کے لئے۔ اُنھیں سنبھال لیجئے۔"
نیلیش نے چٹھی کو پھر لفافے میں رکھا اور اپنے بیٹے کو جاتا دیکھ کر بلایا۔
"اجئے۔"
"جی بابُوجی۔"
"اِدھر آؤ بیٹا۔"
اجئے بابُوجی کے پاس گیا۔ چٹھی دیتے ہوئے کہا۔

"اسے پوسٹ کر دینا۔"

ساتھ میں جیب سے پیسہ بھی نکال کر دیا۔

"کہاں گھوم رہا ہے اتنی بارش میں۔"

"بارش تو بند ہو گئی بابو جی۔"

"یہ ٹکٹ کے پیسے لے۔"

اجنے دروازے سے نکل رہا تھا کہ رما ڈاکٹر چاچا کے ساتھ آئی۔ اجنے کو جاتے ہوئے دیکھا تو پوچھا۔

"کہاں جا رہا ہے؟"

"یہ چٹھی ڈالنے، بابو جی نے دی ہے۔"

رما نے اس چٹھی کا پتا دیکھا وہ رائے صاحب کی حویلی کا تھا، اس کے دادا جی کا۔ اجنے نے اس کے ہاتھ سے چٹھی کھینچ لی۔

"مجھے دے نا... دیری ہو رہی ہے۔"

اجنے چٹھی لے کر چلا گیا۔ اندر سے بابو جی کے کھانسنے کی آواز آنے لگی۔ رما نے بھائی کو پکارا۔

"اجنے... اجو..."

پر وہ بھاگ گیا۔ رما اندر کمرے میں آئی تو ڈاکٹر اس کے بابو جی سے بات کر رہے تھے۔

"کل رات تمہاری طبیعت کیسی رہی؟... علاج بھی تم ٹھیک سے..."

رما بول پڑی بیچ میں۔

"بابو جی... آپ نے دادا جی کو چٹھی لکھی ہے۔"

"ہاں... ہاں بیٹا... لکھا ہے تجھے آ کے لے جائیں۔"

''کیوں...؟''

''وہ... تو میتھی کا ساگ بہت اچھا بناتی ہے نا۔ اُنہیں بھی بہت پسند ہے۔ خوب کھلاتی رہنا اُنہیں۔''

''مذاق مت کرو بابو جی۔ ٹھیک بتاؤ۔''

''تیرا مزاج بھی بالکل تیرے دادا جی کی طرح ہے۔ تو وہیں ٹھیک رہے گی۔''

''سچ بتایئے۔ کیا لکھا آپ نے؟ پیسے منگوائے؟...''

''نہیں بیٹے... تیرے بابو جی ایسا کبھی نہیں کریں گے۔ مرتے مرتے بھی وہ...''

''تو چٹھی کیوں لکھی...؟ یاد ہے ماں نے ایک بار کہا تھا۔ آپ نے کتنا ڈانٹا تھا، اُنہیں۔''

''جا بیٹا... ڈاکٹر چاچا کے لئے چائے لے آ۔''

رما چلی گئی۔ نیلیش ڈاکٹر سے بات کرنے لگا۔ اسی بیچ اُسے کھانسی اُٹھی، ڈاکٹر نے پوچھا۔

''وہ گولیاں ختم ہوگئی، کیا؟''

''سانس ختم ہوگئی ہے۔''

''بھیا ایسے کیسے علاج ہوگا، کتنی بار کہہ چکا ہوں تمہیں فوراً ہسپتال داخل ہونا چاہیے۔''

''جانتا ہوں۔ اسی لئے تو آج بابو جی کو چٹھی لکھ دی ہے۔ ورنہ بچوں کو کہاں چھوڑوں۔ یہ دیکھو... دن میں دس بار خون تھوکتا ہوں۔''

خون دِکھاتے ہوئے اندر آتی رما نے بھی دیکھ لیا اور سہم کر دیوار سے جا لگی۔ باپ بیٹی کی آنکھیں ملی تو۔ رما دوڑ کر باپ کے گلے لگ کر رونے لگی۔ باپ کی آنکھیں بھر گئیں۔

48...

رما اپنے ماضی کے لمحات رُوی کے ساتھ بانٹ رہی تھی۔

''اُسی دن ہم بابُوجی کو ہسپتال لے گئے۔ لیکن دیر بہت ہو چکی تھی۔ کچھ ہی دنوں میں انت سامنے نظر آنے لگا، وہ دادا جی کو روز پوچھتے تھے۔ وہ آئے، اُن کی کوئی چٹھی، مگر میں جانتی ہوں، دادا جی جان بوجھ کر نہیں آئے اپنی ضد، اپنے غرور کے لئے، اور جب سب کچھ ختم ہو گیا۔ تب ہمیں لینے آئے۔ اگر بابُوجی نے مجھے، اپنی قسم نہیں دلائی ہوتی، تو میں کبھی نہیں آتی یہاں۔''

''رما... میں کسی کو دوش نہیں دے رہا ہوں، لیکن سچ کہوں... رائے صاحب کو سمجھنے میں سب نے بھول کی۔ تم نے بھی اور تمہارے بابُوجی نے بھی۔ تم سمجھتی ہو رائے صاحب نے جان بوجھ کے اپنے بیٹے کی خبر نہیں لی؟... حالانکہ سترہ سال اُنہوں نے، اُن کی چٹھی کا انتظار کیا۔ اور انہوں نے ایک بار بھی لکھا ہوتا تو رائے صاحب خود انہیں جا کر لے آتے۔''

''آپ کو کیا معلوم، کس نے کہا آپ سے؟''

''خود رائے صاحب نے۔''

''پھر انہوں نے خود کیوں نہیں منا لیا بابُوجی کو؟''

''کہاں جا کر مناتے؟... کہاں لکھتے اُن کو تمہارے بابُوجی نے کوئی خبر نہیں دی اُنہیں۔''

''جب چٹھی لکھی تھی تب...؟ تب کیوں نہیں آئے؟...''

''اس کا فیصلہ بھی کر لیا؟ کیا تم نے کبھی رائے صاحب سے پوچھا۔ کہ وہ کیوں نہیں آئے؟''

''میں کیوں پوچھتی؟...''

''تو وہ کیوں بتاتے...؟ اُن کی جواب دہی اپنے بیٹے سے تھی... تم سے نہیں۔ سُنو میں بتاتا ہوں... جب تمہارے بابُوجی کی چٹھی یہاں آئی، اس وقت رائے صاحب یہاں نہیں تھے۔ باہر گئے ہوئے تھے۔ قریب مہینے بھر بعد اُنہیں وہ چٹھی ملی... اور وہ چٹھی ملتے ہی، وہ یہاں ایک منٹ نہیں رُکے، اُسی وقت اپنے بیٹے سے ملنے چلے گئے۔''

''آپ کو کیسے معلوم؟''

''پھر وہی، کیا تمہیں یاد نہیں۔ وہ دو دن تک تمہارے ساتھ ہی رہے۔ تمہیں مناتے رہے یہاں آنے کے لئے۔ دو دن تک اُنہیں کپڑوں میں اُٹھتے بیٹھتے، سوتے رہے۔ اُن کے پاس بدلنے کے بھی کپڑے نہیں تھے۔ اُن کی وہ حالت دیکھی تھی؟ اُس وقت کون سی ایسی غرض تھی۔ کون سا ایسا غرور تھا، جس کے لئے، پانچ پانچ سال کے بچوں کے سامنے گڑگڑاتے رہے، ہاتھ جوڑتے رہے۔''

یہ سُن کر رما کی آنکھیں بھر آئیں۔ اور آنسوؤں کو روکتے ہوئے کمرے سے باہر چلی گئی۔ رَوی دیکھتا رہا اُسے۔

49...

ایک دن صبح صبح رائے صاحب آ گئے۔ جیسے ہی اُنہوں نے ہال میں کیرم بورڈ دیکھا۔ غصّہ میں رُک گئے اور اپنے ہاتھ کا بریف کیس وہیں صوفے پھینکا اور نوکر کو بُلایا۔

''نارائن...''

بھاگتا ہوا نارائن آیا۔

''حضور صاحب۔''

ہاتھ جوڑ کے کھڑا ہو گیا، رائے صاحب نے اشارے سے کیرم بورڈ دکھایا۔

''ماسٹر جی...''

''کس لیے؟''

''بچے کھیلا کریں۔''

''رُوی کہاں ہے؟''

''وہ تو چلے گئے۔ ماسٹر جی تو شہر چلے گئے۔ کہہ رہے تھے...''

''Oh Shut up ! دیوان جی کہاں ہیں؟''

''باہر گئے ہیں... حضور۔''

''بُلاؤ انہیں۔''

''جی بُلاتا ہوں۔''

''ٹھہرو۔''

رائے صاحب نے دیکھا... اُن کے بیٹے نلیش کی فوٹو وہیں ہال کی دیوار پر لگی تھی۔ اُس تصویر کے قریب گئے۔

''تصویر... یہاں کس نے لگائی؟''

''جی بچوں نے...''

''کہاں ہیں بچے؟''

''اسکول میں!''

''اسکول؟... کون سے اسکول میں؟''

''جہاں وہ پڑھا کریں حضور۔''

''کلاس میں... وہاں کیا کر رہے ہیں؟''

''پڑھ رہے ہیں حضور۔''

''پڑھ رہے ہیں... !''

''جی روز ایک بجے تک پڑھا کریں نا... حضور صاحب۔''

رائے صاحب کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ نارائن کیا کہہ رہا ہے۔

''پڑھا کون رہا ہے؟''

''رما دیدی۔''

''آئیں... رما... !''

''جی...''

کچھ سوچ کر رائے صاحب اوپر دیکھتے ہوئے سیڑھیاں چڑھنے لگے۔

50...

کلاس روم کے پاس پہنچ کر رائے صاحب حیرت میں کھڑے رہ گئے۔ بچے دھیان سے پڑھ رہے تھے اور ماسٹر والی کرسی پر رما بیٹھی تھی۔ رائے صاحب کھڑے تھے لیکن کسی کا دھیان پڑھائی سے نہیں ہٹا وہ ادھر اُدھر بالکل نہیں دیکھ رہے تھے۔ رما بڑے مگن انداز میں اُنہیں پڑھا رہی تھی۔ وہ جب مڑی تو دیکھا رائے صاحب کو کھڑے تھے۔ وہ بھی کرسی سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''نمستے دادا جی۔''

سبھی بچوں نے بھی سر اُٹھایا اور پھر باری باری سب نے نمسکار کیا۔

''نمستے دادا جی۔''

''نمستے دادا جی۔''

''نمستے دادا جی۔''

چھوٹے سنجو نے بھی۔

''نمستے داداجی۔''

رما' رائے صاحب کے پاس آئی اور چہرے پہ خوشی مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''کب آئے آپ داداجی؟''

''میں بس تھوڑی دیر ہوئی۔

سنجو نے آگے بڑھ کر پیر چھوئے۔

''پائے لاگو داداجی۔''

سنجو کو رائے صاحب نے گود میں اُٹھا لیا۔ خوشی سے اُن کی آنکھیں بھر آئیں۔

''جیتے رہو بیٹا۔ جیتے رہو۔''

رما نے پوچھا۔

''بواجی آگئی؟''

''نہیں... بیٹی... اب وہ اپنے گھر رہے گی۔ تم بیٹھو... پڑھو۔''

رائے صاحب اپنے آپ کو روک نہیں پا رہے تھے۔ سنجو کو رما کی گود میں دے کر اپنے کمرے کی طرف آنسوؤں سے تر چہرہ لئے چلے گئے۔

...51

رات کے وقت' گھڑی نے نو بجائے... یعنی کھانے کا وقت' ڈائننگ ہال میں بیچ کی کُرسی پر رائے صاحب بیٹھے تھے اور باقی پر سب بچے بیٹھے تھے۔ اور اُنہیں دیکھ رہے تھے۔ یہ سب دیکھ کر رائے صاحب مسکرا رہے تھے۔ نیتا کچھ اُلجھی تھی۔

رائے صاحب نے اُسے اپنے پاس بلایا اور پاس کی کُرسی بٹھایا اور نیپکن لگایا۔

رما ایک باؤل میں میتھی کا ساگ لے کر آئی اور رائے صاحب کے سامنے

رکھ کے کہا۔

''داداجی یہ لیجئے میتھی کا ساگ۔''

رائے صاحب نے اُداس آنکھوں سے رما کو دیکھا۔

''میں نے بنایا ہے۔آپ کو بہت پسند ہے نا... ایک بار بابُوجی نے کہا تھا۔''

''تمہیں نیل نے کہا تھا۔وہ مجھے یاد کیا کرتا تھا؟''

''بہت یاد کیا کرتے تھے اکثر آپ کی باتیں بتایا کرتے تھے۔''

''کیا بتایا کرتا تھا۔یہی کہ میں بہت پتھر دل ہوں۔میں نے بہت ظلم کئے اُس پر۔''

''نہیں داداجی... وہ تو کہا کرتے تھے میرے بابُوجی جیسے اُصولوں کا پکّا اور دوسرا نہیں دیکھا زندگی میں۔''

یہ سُن کر رائے صاحب کے آنسو نہیں رُک سکے۔

...52

رات کے وقت۔رائے صاحب سونے کی تیاری میں تھے،الماری میں رکھی نیلیش کی فوٹو دیکھی۔اُس وقت دروازے پر کھٹکا ہوا۔

''کون ہے؟''

دیکھا،دروازے پہ سارے بچّے کھڑے تھے۔سارے ایک ساتھ بولے۔

''Good night داداجی۔''

رائے صاحب نے چھوٹے سنجو کو اُٹھالیا۔پھر سب کو بلایا۔

''دروازے پہ کیوں کھڑے ہو؟... آؤ اندر آؤ۔سنجو یہ Good night

بولنا کس نے سکھایا تمہیں؟''

''ماسٹر جی نے۔''

''ماسٹر جی نے... ہمارے پاس رہو گے۔''

سارے بچے اندر آ گئے اور رائے صاحب کی پلنگ پر بیٹھ گئے۔ کچھ لیٹ گئے۔

''ہاں...''

نیتا بولی۔

''میں بھی رہوں گی۔''

''آپ دونوں یہیں رہو۔''

سنجو نے پوچھا۔

''دادا جی آپ کو کہانی آتی ہے؟''

''کون سی کہانی؟''

''وہی جو لنگڑے بھوت کی!''

''نہیں۔''

''ہمیں آتی ہے۔''

''سناؤ...''

''ایک تھا لنگڑا بھوت... وہ بولا (ناک سے) اندر کون ہے۔ میں لنگڑا بھوت ہوں۔''

نارائن جگ میں پانی لے کر آیا دروازے پہ کھڑا دیکھتا رہا بچوں کے ساتھ رائے صاحب کا کھیلنا۔

''میں لنگڑا بھوت ہوں... میں تم کو کھا جاؤں گا۔ پھر اس پر تھوک دیا۔''

رائے صاحب ہنس پڑے۔ سارے بچے ہنسنے لگے۔ یہ دیکھ کر نارائن کی

آنکھیں بھر آئیں۔ پہلی بار اتنے سالوں بعد انہیں ہنستے دیکھا تھا۔ وہ جگ رکھ کر آنکھیں پونچھتا ہوا چلا گیا۔ رما ہنسنے لگی جو کچھ دیر پہلے آ کر کھڑی ہوئی تھی۔ اُسے دیکھ کر رائے صاحب نے کہا۔

''آؤ بیٹی... آؤ بیٹی اندر آجاؤ... اندر۔''

رما اندر آ گئی، رائے صاحب نے رما سے پوچھا۔

''کہانیاں کون سُنایا کرتا تھا، رَوی!''

''جی... !''

''رما... رَوی کچھ کہہ کے گیا ہے۔''

''کہہ رہے تھے شہر میں اچھی نوکری مل گئی ہے۔ جانا ضروری ہے۔''

''میں بہت شکر گذار ہوں رَوی کا۔ اُس نے میرے بچوں سے میرا پریچے کرا دیا۔ لیکن ایک بات، اس کی اچھی نہیں لگی۔ بنا بتائے، میری غیر حاضری میں جو چلا گیا۔ اچھا نہیں کیا اُس نے... اچھا نہیں کیا۔''

رما کھڑی وہیں سوچنے لگی جو اُس نے رَوی کو لکھ کر بھیجا تھا چٹھی میں۔

''دادا جی ناراض تھے، تو صرف اس بات پر کہ آپ انہیں بغیر ملے کیوں چلے گئے۔''

...53

رَوی رما کی لکھی چٹھی پڑھ رہا تھا جس پر رما کی آواز کچھ یوں آ رہی تھی۔

''ورنہ بہت خوش ہیں، انہیں ہنستا دیکھ کر بہت اچھا لگتا ہے۔ آپ حیران ہوں گے سُن کر نیتا آج کل دادا جی کے پاس سوتی ہے۔ سنجو میرے ساتھ رہتا ہے، اجے اور وجے دونوں ہوسٹل چلے گئے ہیں۔ اُس دن جب ہوسٹل کے لئے جا رہے

تھے۔ دادا جی کا گلا بھر گیا۔ کہنے لگے ابھی تو جی بھر کے رہا بھی نہیں ان بچوں کے ساتھ۔ آپ کا نام لے کر بولے۔ وہ ہوتا تو کچھ مہینے اور یہاں پڑھا لیتا۔ لیکن آپ کو تو وہاں بہت کام ہوگا... وہاں پہ۔ سنجو سے ملنے کی فرصت بھی کب ہوگی۔ سنجو اور باقی سب آپ کو بہت یاد کرتے ہیں۔"

پاس ہی کھڑا امیت بھی اس چٹھی کو سن رہا تھا۔ رُوی بولا۔

''سنجو اور باقی...''

''سنجو اور باقی سب بہت یاد کرتے ہیں۔ پچاس بار یہ تو پڑھ چکا ہے۔ پچاس بار میں سن چکا ہوں۔ یہ باقی سب کا نام کیوں نہیں لیتا... کون ہے؟''

''ہوں...''

''کون ہے...؟''

''رائے صاحب!''

''اور...''

''اور اجے، وجے۔''

''اور...''

''نارائن... دیوان جی...''

''اور...''

''اور... اور... کون...؟''

''دھت سالا... رَما کا نام کیوں نہیں لیتا۔ کیا پتی ورتا ستری کی طرح شرما رہا ہے؟''

رُوی زور سے ہنس پڑا۔

''اچھا یہ بتا... تُو نے رَما سے کچھ کہا تھا؟''

''ہاں کہا تھا۔ یہی کہ تمہاری کمی محسوس ہوگی۔''

''جھینپو سالا۔''

''اور کیسے کہتا... دل پر ہاتھ رکھ کر ڈرامہ کرتا، جیسے فلموں میں کرتے ہیں۔''

''اچھا... آتے ہوئے رمانے کچھ کہا تھا تجھ سے؟''

''نہیں، جب آ رہا تھا... تو... سنجو اور سب باہر تک چھوڑنے آئے تھے۔''

کہتے کہتے رَوی کو حویلی سے رُخصتی یاد آ گئی۔ دیوان جی کے ساتھ رَوی باہر نکل رہا تھا شہر کے لئے۔

''جانے کو تو میرا ابھی جی نہیں چاہتا دیوان جی۔ لیکن کیا کروں۔ نوکری ایسی ہے کہ چھوڑنا بھی نہیں چاہتا۔ رائے صاحب آ جاتے تو اُن سے مل کر معافی مانگ لیجئے گا۔ سمجھا دیجئے گا انہیں...''

حویلی کے باہر ایک تانگہ کھڑا تھا۔ سارے بچے اُداس من سے کھڑے تھے۔

''تو میں چلوں اجنے... جو کچھ میں نے بتایا ہے وہ سب یاد رکھو گے نا۔''

''یس سر۔''

پھر وجنے سے کہا۔

''وجنے۔''

''یس سر۔''

رَوی نیتا کے پاس گیا پیار کیا اُسے۔

''منّی۔''

''آپ کب واپس آئیں گے؟''

''آپ کی شادی میں آئیں گے۔ بلاؤ گی؟''

نیتا نے اُداسی سے نہیں میں سر ہلایا۔ سنجو نے پوچھا۔

''آپ کہاں جارہے ہیں سر؟''

''ہمیں جانا ہے بیٹا، کام ہے۔''

''پھر کب آئیں گے سر؟''

''آئیں گے سنجو... جلدی آئیں گے۔ آپ کی دیدی کہاں ہے؟''

''وہ اپنے کمرے میں رو رہی ہے۔''

رَوی نے اِدھر اُدھر دیکھا تو برامدے میں ایک ستون کے پیچھے وہ کھڑی تھی چھپ کے۔ کچھ سوچ کر رَوی اُس کے پاس گیا۔

''رما... رما...''

''آپ کبھی نہیں آئیں گے؟ دادا جی سے بھی ملنے؟''

''آؤں گا، رَما... تم سے بھی ملنے آؤں گا۔ رَما... میں چلوں۔''

رما چُپ کھڑی رہی۔ اُس کے آنسو گرتے رہے۔ رَوی پلٹ کر چلا گیا۔ تانگے کے پاس سب بچوں کو پیار کیا اور بیٹھ گیا تانگے پر۔ رَوی کی بھی آنکھیں رو رہی تھیں۔ ستون کی آڑ سے رما روتی ہوئی آنکھوں سے رَوی کو جاتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔

54...

امیت اور رَوی بیٹھے تھے۔ رَوی اُسے اپنے ساتھ گذرے حالات بتا رہا تھا۔ امیت سُن کر بولا۔

''رَوی، میرا خیال ہے، تجھے جا کر ملنا چاہئے۔ اور اگر ہو سکے، تو رَما سے ایک بار بات بھی کر لینی چاہئے۔''

''کیا...؟''

''دیکھ، رَما تجھے چاہتے ہوئے بھی، خود رائے صاحب سے بات نہیں کر سکتی۔''

''تُو کیا سمجھتا ہے امیت میں بات کر سکتا ہوں؟''

''اگر تم رَما کی فیلنگ یقینی طور پہ جانتے ہو... تو پھر کہہ سکتے ہو۔ خود نہیں کہہ سکتا تو ماما جی سے بات کروا سکتا ہے۔ رَما بیچاری کے لئے کوئی اور طریقہ ہی نہیں۔ اُس کے ماں باپ تو ہیں ہی نہیں۔ کہے گی کس سے؟ تُو کم سے کم مل تو سہی... ہو سکتا ہے رائے صاحب خود ہی بات سمجھ جائیں۔''

...55

رائے صاحب لان میں سنجو کی آنکھ میں دوائی ڈال رہے تھے۔ نیتا پاس ہی میں کھیل رہی تھی۔

''چلو... مُنہ اُونچا کرو۔ شاباش بس... اب آنکھوں کو ہاتھ مت لگانا... یہ لو چشمہ پہنو۔ شیرو بچوں کو اندر لے جاؤ۔ جاؤ بیٹا۔ جاؤ گرمی بہت ہے۔ جاؤ...''

بچے اندر چلے گئے۔ رائے صاحب نے سامنے دیکھا تو سامنے رَوی آ رہا تھا۔ رَوی نے ہاتھ جوڑ کر پرنام کیا۔

''نمستے رائے صاحب۔''

رائے صاحب نے جواب نہیں دیا۔ بڑے غصیلے انداز میں گھور رہے تھے۔ رَوی نے پھر کہا۔

''نمستے۔''

''اب کیوں آئے ہو؟... کس نے بُلایا تمہیں؟''

''بُلایا... بُلایا تو کسی نے نہیں۔ ملنے چلا آیا۔''

''کس سے، ملنے آئے ہو...؟''

''جی!...''

''رماسے... بچوں سے؟''

''جی... سبھی سے ملنے چلا آیا۔''

''ہم سے تو ملنے نہیں آئے۔ ہماری اگر پرواہ ہوتی تو اس طرح ہماری غیر حاضری میں بھاگ کر کیوں چلے جاتے؟''

''I am sorry رائے صاحب، آپ کی غیر حاضری میں جانا پڑا۔ لیکن وجہ آپ جانتے ہیں۔ پھر جو کام آپ نے سونپا تھا۔ اُسے پورا کر کے گیا۔''

''کس نے کہا تمہارا کام پورا ہو گیا۔ ابھی تو تم نے صرف بچوں کو ٹھیک کیا ہے اور باقی...''

''باقی... باقی کون؟''

''ہم... ہمیں کون سدھارے گا؟''

روی کھلکھلا کر ہنس پڑا۔

''ابھی تو ہمیں ٹھیک کرنا باقی ہے۔ بیٹھو روی۔''

''Thank you... رائے صاحب۔''

''روی... ہمیں بچوں نے ہی سیدھا کر دیا، میں بہت خوش ہوں۔ تمہارا بہت شکر گذار ہوں۔ کہ تم نے ہمیں اپنے بچوں سے ملا دیا۔ ورنہ باقی عمر بھی اسی طرح کُڑھتے کُڑھتے گذر جاتی۔ اور بچے صرف یہی جان پاتے، کہ ان کا دادا بہت ظالم ہے۔''

''نہیں رائے صاحب، چٹھی بند کرنے سے کہیں، خوشبو قید ہوتی ہے؟ آپ کے اندر اتنا پیار بھرا ہوا تھا۔ کہ اس کی مہک کہیں نہ کہیں سے بچوں تک پہنچ ہی جاتی۔ کیسے ہیں سنجو اور باقی سب۔ اجے وجے ہوسٹل سے چٹھی تو لکھتے ہوں گے۔''

''چٹھی تو اُن کی ہر ہفتہ...''

کہتے کہتے رائے صاحب رُک گئے۔

''لیکن تمہیں کیسے معلوم وہ ہوسٹل چلے گئے ہیں۔''

''میں... وہ رَما نے چٹھی لکھی تھی۔ میں کہہ کے گیا تھا۔ کہ آپ کے آنے کے بعد مجھے خبر کر دے۔ کہ میں اپنے کام میں کہاں تک کامیاب رہا۔ حالانکہ چٹھی آپ کو لکھنی چاہئے تھی۔ مجھے مُبارک بعد دینے کے لئے۔''

''ہرگز نہیں۔ چٹھی تمہیں لکھنی چاہئے تھی کیوں کہ... خیر چھوڑ و اس بات کو۔ اسی ضد کے لئے پہلے ایک بیٹے سے ہارا ہوں۔ دوبارہ ایسی بھول نہیں کرنا چاہتا۔ تمہیں خبر دوں تو، شاید خُوش خبری ہوجائے۔ میرے ایک دوست ہیں ملٹری کے زمانے کے۔ بڑے کھاتے پیتے خاندانی۔ میں اُن کے پوتے سے رما کی شادی کی بات چیت کر رہا ہوں... بڑی خوش رہے گی اگر اُس گھر چلی گئی۔''

''رَما جانتی ہے؟''

''نہیں...'' رَوی میں اپنے اندر کہیں ٹُوٹ چکا ہوں۔ کمزور ہو چکا ہوں، پتا نہیں کیوں اپنی چھوٹی سی بیٹی سے کہتے ہوئے ڈر لگتا ہے۔ کہیں اُس نے نہ کہہ دی تو میں، میں سہہ نہیں سکوں گا۔ حالانکہ کوئی وجہ نہیں۔ کوئی کارن نہیں اس ڈر کا، رَوی اپنے بیٹے کی شادی میں اپنی مرضی سے نہ کر سکا، لیکن اپنی اس بیٹی کی شادی اپنی طرح سے کرنے کی بڑی حسرت ہے۔ شاید اپنے پُرانے پاپوں کو دھونا چاہتا ہوں۔ چلو رَوی دیوان خانے میں چلیں۔ دھوپ بہت تیز ہوگئی ہے۔''

رَوی اُداس ہوگیا۔

''سنجو اور نیتا کہاں ہیں؟''

''اپنے کمرے میں ہوں گے۔ جاؤ اُن سے مل لو۔ بہت خوش ہوں گے۔ بہت یاد کرتے ہیں تمہیں۔''

56...

روی گھر کے اندر گیا۔ اُداس قدموں سے اُوپر جانے کے لئے سیڑھیوں کی طرف بڑھا۔ اُس کے من میں یہ بات کھٹک رہی تھی کہ رائے صاحب رما کی شادی کہیں اور کرنا چاہتے ہیں۔ اُن کی آرزوئیں اُسے سنائی دے رہی تھیں۔

''اپنے بیٹے کی شادی اپنی مرضی سے نہ کر سکا۔ لیکن اپنی اس بیٹی کی شادی اپنی طرح سے کرنے کی اتنی حسرت ہے شاید اپنے پرانے پاپوں کو دھونا چاہتا ہوں۔''

انہیں باتوں میں گھرا روی' رما کے کمرے کی طرف چلا۔

57...

کمرے میں رما' سنجو اور نیتا بیٹھے سبھی پڑھ رہے تھے۔ سنجو کو چھینک آئی ہے۔ رما نے کہا۔

''سنجو تمہیں ضرور کوئی یاد کر رہا ہے۔ تبھی تمہیں چھینک آ رہی ہیں۔''

''کون یاد کر رہا ہے دیدی؟''

''تمہیں ماسٹر جی یاد کر رہے ہیں۔''

''تین بار کیوں یاد کر رہے ہیں؟''

''(ہنس کر) تمہیں پیار کرتے ہیں۔ بہوا، اس لئے یاد کر رہے ہیں۔''

نیتا نے پوچھا۔

''دیدی تم کو بھی تو ماسٹر جی پیار کرتے ہیں۔''

سنجو بولا۔

''نہیں!... دیدی کو کہاں چھینک آئی ہے۔''

رما کو ہنسی آ گئی۔

''ابھی، تمہارے ماسٹر جی کو چھینک آئے گی۔''

رُوی دروازے پہ کھڑا سب باتیں سُن رہا تھا۔ وہ کچھ سوچ کر اُن سے ملے بنا چلا گیا۔

58...

رُوی ماما جی کے گھر پہنچا اور اپنے کپڑے وغیرہ سُوٹ کیس میں رکھنے لگا جانے کے لئے۔ شہر جانے کی تیاری۔ ماما جی یہ دیکھ کر پوچھے۔

''کیا ہوا...؟ کہاں کی تیاری کر رہا ہے؟''

''شہر کی ماما جی۔ آج دوپہر کی گاڑی سے...''

''ایسی بھی کیا جلدی ہے، ابھی تو آیا ہے۔ دو ایک روز اور رُک جا۔''

''نہیں ماما جی، میں امیت سے کہہ کے آیا تھا۔''

''بات کیا ہے؟... ایسا اُکھڑا اُکھڑا کیوں لگ رہا ہے؟''

''کچھ نہیں۔''

''رائے صاحب ملے تھے؟''

''جی ہاں...''

''رَما ملی تھی۔ کیسی ہے رَما؟''

''اچھی ہے۔''

59...

رما سیڑھیوں سے نیچے اُتر کر تیزی سے آرہی تھی۔ نیچے رائے صاحب مل گئے۔ انہوں نے پوچھا۔

''کہاں جا رہی ہو؟... رَوی کہاں ہے؟''

''رَوی...؟''

''تم سے ملا نہیں۔ کہاں تھیں تم ابھی تو وہ گیا تھا تم سے ملنے۔''

''وہ آئے تھے... کب؟''

''ابھی کوئی گھنٹہ بھر ہوا۔ ایسے کیسے بغیر ملے چلا گیا۔''

رما کو چپ دیکھ کر رائے صاحب نے کچھ اور جاننے کی کوشش کی۔

''رما ادھر آؤ... میرے پاس آؤ۔''

رما دھیمے قدموں سے آگے بڑھی۔ رائے صاحب اُس کے چہرے کے رنگ بدلتی تحریر کو پڑھتے رہے۔

''اور قریب آؤ۔''

رما کی غیر ہوتی حالت سے اُنہیں رَوی کے نہ ملنے کی وجہ سمجھ میں آنے لگی۔

60...

ریلوے سٹیشن پر، رَوی شہر جانے کے لئے آیا تھا، ماما جی ساتھ میں آئے تھے۔ ریل میں بٹھانے کے لئے۔ انجن نے سیٹی بجائی۔ رَوی اپنے ڈبہ کے دروازے پہ کھڑا تھا اور ماما جی کہہ رہے تھے۔

''بھئی ہمیں تو اچھا نہیں لگا تمہارا اس طرح آنا اور اس طرح چلے جانا۔ لگتا ہے بٹھیا چھوٹے آئے تھے۔''

اُسی وقت رائے صاحب رما کو لے کر ریلوے اسٹیشن پہنچے۔ گاڑی چھوٹنے والی تھی۔ جلدی جلدی ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے رما سے کہا۔

''تم ٹھہرو۔ میں دیکھتا ہوں۔''

رائے صاحب ڈبوں میں جھانکتے جا رہے تھے۔ گاڑی چل دی۔ رَوی کے ڈبّہ کے پاس ماما جی بولے۔

''سیٹی بج گئی۔ چلو چڑھ جاؤ۔ اپنا خیال رکھنا۔ چٹھی وٹھی بھیجنا۔''

ٹرین چل دی۔ رَوی دروازے پہ کھڑا تھا۔ ماما جی نے ہاتھ ہلایا۔ رائے صاحب کی نظر پنڈت جی پر پڑی۔ اُنہوں نے پکارا۔

''پنڈت جی... پنڈت جی رَوی کہاں ہے...؟''

پنڈت جی ایک تو اُونچا سُنتے تھے دُوسرے گاڑی کی آواز۔ رائے صاحب کی بات نہ سمجھ سکے۔

''کیا...؟''

''میں پوچھتا ہوں رَوی گیا؟''

ٹرین تیز ہو چکی تھی۔ رَوی دروازے پہ کھڑا تھا۔ اُس کی نظر رائے صاحب پر پڑی۔ پھر اُس نے رما کو دیکھا جو کھڑی گاڑی کو دیکھ رہی تھی۔ رَوی نظر میں آ گیا۔ دونوں نے ایک دُوسرے کو دیکھا اور رَوی کچھ سوچ کر چلتی گاڑی سے اُتر پڑا۔ ٹرین نے رفتار پکڑ لی تھی۔ وہ سنبھل نہ سکا اور گر پڑا اسٹیشن پر۔ رما ڈر گئی۔ اور تیزی سے بھاگی رَوی کے پاس۔ ٹرین چلی گئی تھی۔ اُس نے رَوی کو سہارا دے کر اُٹھایا۔ رَوی کھڑا ہوا لیکن اُسے سہارے کی ضرورت پڑی۔ ٹرین سے کودنے پر چوٹ آئی تھی۔ درد کافی ہو رہا تھا۔ رائے صاحب نے پنڈت جی سے کہا۔

''پنڈت جی بزرگی اُسی میں ہے کہ ہم لوگ یہاں سے چلیں۔''

پنڈت جی نے سر ہلایا اور دونوں ساتھ ساتھ پلیٹ فارم سے باہر چلے گئے۔ رَوی اور رما ہنستے ہنستے خوشی سے پلیٹ فارم کے باہر کی طرف بڑھنے لگے۔

****

پرتچے

جیتندر : روی

جیابچن : رما

پران : رائے صاحب

مینا : ستی

اسرانی : نارائن

ونود کھنہ : امیت

سنجیو کمار : نیلیش

سنگیت : آر۔ڈی۔برمن

کیمرہ : کے۔ وینکٹیش

گیت کار، اسکرین پلے اور ہدایتکار

گلزار

facebook

ISBN: 978-969-9596-96-0

Rs. 600.00